قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۸ شمارہ: ۶
جمادی الاخریٰ: ۱۴۴۶ھ - جنوری: ۲۰۲۵ء
قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول
مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر
مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپی اور امریکی ممالک، وغیرہ: 50 امریکی ڈالر
عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: 92-21-34919531 +
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

دہشت گردی کی نئی لہر	۳	محمد اعجاز مصطفی
اسرائیلی وزیر اعظم کے وارنٹ گرفتاری	۵	

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ بنام حضرت بنوریؒ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین ... دعوتِ محاسبہ	۱۱	مولانا محمد رضی الرحمٰن قاسمی
مختلف علوم و فنون ... اور اُن کے فقہی احکام و مراتب	۱۶	مفتی عبید الرحمٰن
شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ... حیات و تعلیمات	۲۶	مولانا ندیم احمد انصاری
اردو رسم الخط کی حفاظت کریں!	۳۱	ڈاکٹر مولانا فہد انوار
تاریخی روایات میں نقدِ اسناد ... ایک تجزیہ	۳۵	مولانا عصمت اللہ نظامانی
نمازِ تہجد ... تشکر و عبودیت کا مظہر	۴۱	مولانا محمد طارق نعمان
گرین گولڈ: مستقبل کی تخیلاتی معیشت کی بنیاد	۴۶	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
اُمت کے اتفاقی موقف سے انحراف گمراہی ہے (قسط: ۳)	۵۲	مولانا محمد نعمان خالد

دار الافتاء

عمرہ سے واپسی پر زمزم میں عام پانی ملا کر لوگوں کو دینا	۶۰	ادارہ
ڈائیلاسز کے دوران نماز پڑھنا	۶۱	

نقد و نظر

الدُّرّ الثمين في دفاع مولانا محمد أمينؒ	۶۳	
ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت ''ختمِ نبوت نمبر''	۶۴	ادارہ
قرآن کا پیغام ہمارے نام	۶۴	

دہشت گردی کی نئی لہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

افغانستان اور امریکا کی جنگ بندی کے بعد اہلِ پاکستان کو اُمید ہو چلی تھی کہ اب پاکستان میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا اور اطمینان وسکون نصیب ہوگا، لیکن ’’بسا آرزو کہ خاک شدہ‘‘ کے مصداق اہلِ پاکستان کو یہ نعمتیں ابھی تک میسر نہیں آسکیں۔ کیا کہا جائے کہ اس میں ہمارے پالیسی ساز ناکام ہوئے؟ یا اہلِ حکومت و مقتدرہ قوتیں بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت واستعداد سے محروم ہیں؟ یا کوئی غیر مرئی قوت ہے جو ہماری مقتدرہ اور بااختیار اتھارٹی کو اپنی قوم اور ملک کے مفاد میں صحیح اور بروقت فیصلہ کرنے میں آڑے آجاتی ہے اور روکتی ہے؟ یا عالمی طاقتیں مستحکم پاکستان پسند نہیں کرتیں؟! سبب اور وجہ کوئی بھی ہو، لیکن اتنا تو ہر باشعور اور عقل وخرد کے حامل انسان اور پاکستانی کو معلوم ہے کہ ہمارے حکمران ہوں یا بااختیار ادارے، بہرحال! پاکستانی عوام کو تحفظ دینے اور امن وامان قائم کرنے میں بہت پیچھے ہیں۔

حالات کی اَبتری اور مخدوش صورت حال کا اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے ملک پاکستان کے چار صوبوں میں سے دو صوبے تو مستقل دہشت گردی، بم دھماکوں اور گولیوں کی زَد میں ہیں۔ صوبہ خیبر پختون خواہ کے جنوبی اَضلاع میں رات کے حکمران الگ اور دن کے حکمران الگ الگ ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ سرکاری سطح پر اعلان کیا گیا ہے کہ رات کے وقت پولیس تھانوں سے باہر نہ نکلے اور سرکاری ملازمین بھی سفر نہ کریں، حالانکہ اس

صوبے کا وزیر اعلیٰ، گورنر اور آئی جی، جنوبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب پولیس اور سرکاری ملازمین کا یہ حال ہے تو بیچارے عوام کس کے رحم وکرم پر ہوں گے!

صوبہ خیبر پختون خواہ میں اکتوبر کے مہینے میں ۳۰۵ ر حملوں میں ۶۴ ر افراد شہید ہوئے، جن میں ۴۹ ر سیکورٹی اہل کار تھے، اور ۴۰ ر سے زائد لوگ زخمی ہوئے۔ اس سے پہلے خیبر پختون خوا کے ضلع بنوں کے علاقے مالی خیل میں سیکورٹی فورسز کی چیک پوسٹ پر حملے میں پاک فوج کے ۱۲ ر جوان شہید ہوئے، آئی ایس پی آر کے مطابق سیکورٹی فورسز کے جوانوں نے خوارج کی چیک پوسٹ میں داخل ہونے کی کوشش ناکام بنادی، چیک پوسٹ میں داخل ہونے کی کوشش میں بارود سے بھری گاڑی چیک پوسٹ کی دیوار سے ٹکرادی، اس دھماکے کے نتیجے میں دیوار کا ایک حصہ گر گیا، پاک فوج کے ۱۰ ر جوان اور ایف سی کے ۲ ر اہل کار شہید ہوئے۔ اسی طرح کرم کے علاقے میں چلتی بسوں پر فائرنگ کے نتیجے میں اب تک ۴۹ ر لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، جن میں خواتین اور بزرگ بھی شامل ہیں۔ لگ یوں رہا ہے کہ آپس میں زمین کے تنازع سے اُٹھنے والی خلفشار اور دشمنی کی آگ فرقہ واریت کی آگ میں بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ولا فعل اللہ ذٰلك !

اور اُدھر صوبائی حکومت ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے باہر نہیں آرہی اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ اِن معاملات اور قتل وقتال کو اہمیت نہیں دے رہی، تبھی تو وہ اِن معاملات سے مکمل غافل نظر آرہی ہے اور صوبہ کے وزیر اعلیٰ اور پوری کابینہ کا ایک کام رہ گیا ہے کہ وہ صرف بانی پی ٹی آئی کو قانونی شکنجے سے رہائی دلانے کے لیے ہر قسم کے غیر قانونی حربے آزماتے رہیں اور صوبے کے وسائل اس میں جھونک دیں۔ بس! یہی ان کے نزدیک ملک کا سب سے بڑا مسئلہ رہ گیا ہے، اور وفاقی حکومت ہے کہ اس کا مقصد صرف اور صرف اس احتجاج کو روکنا ہے۔ اس کے علاوہ شاید امن وامان کے درست کرنے کی ذمہ داریاں لینے کے لیے وہ بھی سنجیدہ نظر نہیں آرہی۔

کچھ یہی صورتِ حال صوبہ بلوچستان کی ہے کہ اس میں بھی ایک دس سالہ بچے کو ایک باغ سے اغوا کیا گیا اور ابھی تک پولیس اسے بازیاب نہیں کراسکی، جس کی بنا پر پورے صوبہ بلوچستان میں دھرنے ہو رہے ہیں، ٹریفک جابجا رُکی ہوئی ہے، اسی طرح ٹرینوں کو بھی منسوخ کیا جارہا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ لگ یوں رہا ہے کہ ہمارے ملک کی دشمن بیرونی ایجنسیاں اور ان کے داخلی ایجنٹ مل کر ملک کو عدمِ استحکام کا شکار بنارہے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ پاکستان میں سرمایہ کاری کے لیے جو ممالک دل چسپی رکھتے ہیں، وہ لوگ اس امن وامان کی ناقص صورتِ حال کی بنا پر اپنا سرمایہ اس ملک میں نہ لگائیں۔ ولا فعل اللہ ذٰلك !

حکومت کو چاہیے کہ جو لوگ بیرونی قوتوں کے آلۂ کار بن کر ملک کے امن وامان کو تہہ وبالا کر رہے ہیں،

ان کے ساتھ نیشنل ایکشن پلان کے تحت سختی سے نمٹا جائے، پارلیمانی نمائندگی کے ذریعہ پوری قوم کو اعتماد میں لیا جائے اور ان کے مشوروں سے اپنے ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی مرتب کی جائے، تمام حکومتی ذمہ داران حضرات اور سیاسی جماعتوں کے اکابرین کی ایک آل پارٹیز کانفرنس بلائی جائے اور اسے قومی مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس پر غور وفکر کیا جائے۔ ان شاء اللہ! اس سے امن وامان قائم کرنے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا۔

اسرائیلی وزیر اعظم کے وارنٹ گرفتاری

۱۳/ ماہ سے زائد عرصہ گزر گیا کہ ابھی تک فلسطین پر اسرائیل کا ظلم وتشدد اور سفاکیت و بہیمیت جاری ہے، اسے کسی ملک، کسی فوج اور کسی بھی فورم پر جوابِ دہی کا بالکل خوف نہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ امریکا بہادر اس کی پشت پر ہے، وہ نہ صرف اسرائیل کو مالی مدد دے رہا ہے، بلکہ برابر اُسے اسلحہ بھی سپلائی کر رہا ہے۔ مسلم ممالک کے سربراہوں پر مشتمل او آئی سی کا فورم سوائے ایک ظاہری اور نمائشی اجتماع کے کوئی مؤثر اور ٹھوس لائحہ عمل پیش نہ کر سکا۔ اتنی بڑی اور اہم کانفرنس نے فلسطین اور لبنان میں مسلمانوں کی نسل کشی روکنے کے لیے کسی بھی عملی اقدامات کا اعلان نہ کر کے پوری اُمتِ مسلمہ کو مایوس کیا ہے، بلکہ یہ کمزور موقف اسرائیل کو شاید مزید شہہ ملنے کا باعث بنا ہے اور اس کی سفاکیت میں اضافہ ہو گیا ہے، اس لیے کہ عین اس وقت جب اسلامی سربراہی کانفرنس ہو رہی تھی، اسرائیل کے غزہ اور جنوبی کنارہ پر حملے جاری تھے، جو اسرائیل کی طرف سے یہ اعلان تھا کہ اس کی نظر میں اسلامی سربراہی کانفرنس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور نہ ہی ان میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف کوئی عملی اقدام کر سکیں۔

دوسری طرف اخبارات کے مطابق عالمی فوج داری عدالت نے غزہ جنگ میں انسانیت پر مظالم اور جنگی جرائم کے مرتکب ہونے والے اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو اور سابق وزیر دفاع یوو گیلنٹ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ بین الاقوامی میڈیا رپورٹس کے مطابق عدالتی فیصلے میں کہا گیا ہے کہ ان دونوں افراد نے جان بوجھ کر غزہ کی شہری آبادی کو خوراک، پانی، ادویات اور طبی سامان کے ساتھ ساتھ ایندھن اور بجلی سے محروم رکھا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق کینیڈا کا کہنا ہے کہ وہ بین الاقوامی عدالتوں کے جاری کردہ تمام فیصلوں کی

پابندی کرے گا، یورپی یونین کی خارجہ پالیسی کے سربراہ جوزف بوریل کا کہنا ہے کہ بلاک کے تمام ۲۷ رکن ممالک آئی سی سی کے قوانین کو نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ نیتن یاہو کے وارنٹ گرفتاری جاری کرنے کے عدالتی فیصلے کا احترام کرنا چاہیے۔ اٹلی کا کہنا ہے کہ اگر نیتن یاہو یا گیلنٹ اٹلی آئے تو انہیں گرفتار کرلیں گے۔ نیدرلینڈ کا کہنا ہے کہ وہ گرفتاری کے وارنٹ کی پابندی کرے گا۔ بیلجیئم کا کہنا ہے کہ یورپ کو اس کی تعمیل کرنی چاہیے اور اقتصادی پابندیوں اور اسرائیل کے ساتھ ایسوسی ایشن معاہدے کو معطل کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔ عراق نے تمام آزاد ممالک سے آئی سی سی کے وارنٹ کو نافذ کرنے کا مطالبہ کیا۔ ترکیہ نے وارنٹ کو ''نسل کشی کے جرائم کے لیے اسرائیلی حکام کو جواب دہ ٹھہرانے'' کے لیے ایک اہم قدم قرار دیا، جب کہ اسرائیل اور امریکا نے عالمی عدالت کے فیصلے کو مسترد کردیا۔

گویا دنیا اِدھر سے اُدھر ہوجائے، لیکن امریکا ہر حال میں عالمی دہشت گرد اسرائیل کی حمایت جاری رکھے گا، حالانکہ امریکا کے صدارتی الیکشن میں ٹرمپ کو مسلمانوں اور جنگ سے آزادی کے خواہاں عام امریکی شہریوں کا ووٹ اسی لیے ملا ہے کہ اس نے الیکشن میں نعرہ لگایا تھا کہ: ''اس وقت ہم تاریخ کے بڑے فیصلے کرنے جارہے ہیں۔'' جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ ٹرمپ ہر سطح کی جنگ کے خلاف ہے، لیکن کامیاب ہوتے ہی اس نے اپنی کابینہ کے لیے ایسے لوگوں کو تجویز کیا جو نہ صرف یہ کہ اسرائیل کے حمایتی بلکہ ہر فورم پر اس کی وکالت کرنے والے اور اس کی مسلم کش پالیسی کی حمایت کرنے میں معروف اور مشہور ہیں۔

ان حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے دعا اور استغفار کرتے ہیں، اور ان مظلوم ومقہور اور مجبور لوگوں کے لیے دعائیں ہی کرسکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ غیب سے ان کی مدد ونصرت کا انتظام فرمائے اور ان کے حالات پر رحم وکرم فرمائے، آمین! اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے ان مظلوم اور مجبور ولاچار فلسطینی بھائیوں کے لیے دامے، درمے، قدمے، سخنے خود بھی مدد کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کرتے رہنا چاہیے۔
وما علینا إلا البلاغ!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمه الكريم

أنستُ بوحدتي و لزمتُ بيتي   فلا أحدا أزور ولا أُزار(۱)

مخدومنا قبلہ مولانا بنوری صاحب دامت برکاتهم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبراتِ رثاء کا عبرت ناک قصیدہ باعثِ عبرت بنا، فجزاكم الله أحسن الجزاء کہ اس حقیر کو یاد فرمایا، اگرچہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا مکتوبِ گرامی بہت مختصر تھا، مگر:

قليلٌ منك يكفيني ولكن   قليلُك لايقال لهٗ قليلٌ(۲)

دور دور تک اکابر سے ملک خالی ہے، جائیں تو کہاں جائیں؟! (سوائے گل داد مدظلہم کے، مگر وہ آپ کے کام کے تو ہیں، مگر ہمارے جیسے ان سے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکتے) ویسے بھی فضاء وارداتِ فسادات کی بنا پر مسموم ہے، کسی کو چین اور اطمینان نہیں ہے، دن گزرتا ہے تو اپنے اکابر کی قدر ومنزلت دل میں بڑھتی جاتی ہے، لیکن ان تک پہنچنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا، لیکن دل کی کیفیت بحمد اللہ یہی ہے:

---

(۱) میں تنہائی سے مانوس ہوں اور اپنے گھر کو لازم پڑے ہوئے ہوں، اس لیے نہ میں کسی سے ملتا ہوں، اور نہ ہی کوئی مجھ سے ملنے آتا ہے۔

(۲) آپ کی تھوڑی داد و دہش بھی میرے لیے کافی ہے، لیکن آپ کے عطا کیے گئے تھوڑے کو تھوڑا نہیں کہا جا سکتا۔

لأنهضنّ إلى حشري بحبّهم ولا أكون لكن بأنّهم فنسى

مولانا محمد انور صاحب (بدخشانی) محترم کا خط ملا، ہمشیرہ محترمہ کا یہ انتساب مبارک ہو، اہلِ بیت کا یہ ایثار باعثِ شرف وباعثِ مراتبِ عالیہ ہو۔ مولوی محمد انور صاحب کے لیے یہ انتساب باعثِ فخر دنیا وآخرت ہے، انہوں نے الحمد للہ بہت ہی مسرت کا اظہار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہانوں میں منور فرمائے۔ بہت ہی باادب انسان ہے، اللہ تعالیٰ جانبین کو اطمینان نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ کے ان اسلاف والے کارناموں کو دنیا کے لیے باعثِ رشد وہدایت، اصلاح وفلاح بنادے، آمین۔

لك العزة القسعاء والرتبة التي قواعدها لتسمو على عنكب النسرِ
سموتَ علواً إذ دنوتَ تواضعا وقمتَ بحق الله في البر والبحرِ
فلا زلتَ محروس الجناب مؤيّداً من الله بالتوفيق والعزّ والنصرِ (۱)

تطویلِ تخاطب میں معذور فرمائیں، واللہ! آپ کی شفقت سامنے نہ ہوتی تو یہ جسارت معرضِ وجود میں نہ آتی۔

فقط والسلام مع العز والاحترام

قبلہ محترم آغاجی مدظلہم کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ برادر محترم محمد صاحب (بنوری) موقر کے ایک چھوٹے سے رقعہ کا دَین محسوس کررہا ہوں، جواب دوں گا، ناراض نہ ہوں اور سلام کا ہدیہ ضرور قبول فرمائیں۔ برادرم احمد الرحمٰن صاحب سے بھی یہی درخواست ہے کہ سلام مسنون منظور فرمائیں۔

فضل محمد

۸ ربیع الاول یوم الأربعاء، مدرسہ مظہر العلوم ،منگورہ

باسمہ الکریم

حضرت قبلہ جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جواب کے انتظار میں خون سوکھ رہا ہے، رات خواب میں بھی کچھ ایسی حالت دیکھنے میں آئی ہے جو میرے لیے بے حد پریشان کن ہے، اللہ پاک رحم فرمائے، میں کیا عرض کروں؟ اس بڑھاپے میں

---

(۱) آپ کو وہ عزت وشوکت اور مرتبہ حاصل ہے جس کی بنیادیں عقاب کے کندھوں سے بلند وبالا ہیں۔ جب آپ تواضع اختیار کرتے ہیں تو مزید بلند ہوتے ہیں، اور آپ نے بحر وبر میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کیے ہیں۔ آپ ہمیشہ سے (خدا کے دین کے) ایسے پہرے دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق، اور عزت ونصرت کے ذریعہ تائید یافتہ ہیں۔

یہاں کی ناموافق فضا میں دینی کام کرنا ہر قدم پر کانٹے دامن گیر ہوتے ہیں اور پھر تسلی کی کوئی جگہ نہیں ہے، اس لیے لوجہ اللہ مجھے مشورہ بھی دیجیے، میرا دل خدا کی قسم! اب بھی وہاں سے وابستہ ہے، کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے، چند کلمات سے نوازا جائے، فأجرکم علی اللہ.

یہ حامل الخط ایک بہت مجاہد عالم کا لڑکا ہے، تمام کتابیں پڑھ چکا ہے، گزشتہ سال دورہ حدیث مدرسہ اشرفیہ لاہور میں پڑھ چکا ہے، درجہ علیا میں کامیاب ہے۔ یہ دعوت وارشاد میں داخل ہونا چاہتا ہے، ان کے والد کی خاطر یہ چند کلمات عرضِ خدمت ہیں۔فقط

مؤرخہ ۱۵؍شوال
تابعدار فضل محمد
مدرسہ مظہر العلوم، مینگورہ، سوات

باسمه العظیم

بدؤ یا الجمال الغال منك لنا المنٰی
و منك لنا في المنزل العال إنزال

مخدومي العظیم دامت برکاتهم!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیدی! آپ کے دونوں ڈرافٹ بہت دیر میں پہنچے تھے، پھر چونکہ وہ اس قسم کے تھے کہ جن کے لیے بنک میں مُرسل الیہ کا اکاؤنٹ ہو، میرا چونکہ بینک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں تھا، اس لیے مختلف ذرائع اختیار کرنے پڑے اور مختلف دوکانداروں کے پاس وہ پھرتے رہے، ہم نے نام واپس کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ایک بڑے دوکاندار نے جن کے بینک سے خصوصی تعلقات تھے، ان کو اپنے نام پر منتقل کراکر پھر چند روز بعد رقم نکلوائی، آپ کو اطلاع کردی تھی، مگر آپ کو میری اطلاع نہیں پہنچی۔ ایک خط آپ کو پنڈی کے پتہ سے لکھا، وہ بھی آپ کی خدمت میں نہیں پہنچا، ایک خط کراچی کے پتہ سے بعد میں لکھا ہے، اس میں صرف ختم نبوت کے مسئلہ کی کامیابی پر اظہارِ تشکر تھا، وہ بھی خدمتِ اقدس میں نہیں پہنچا، آپ کی اس تشویش سے سخت صدمہ ہوا، خدا کرے یہ خط گم نہ ہوجائے۔ دوسرا مسئلہ میرے متعلق تھا کہ میں کیا راہ اختیار کروں؟ تو عبد المنان نے مشافہۃً عرض کردیا ہوگا، مختصراً پھر عرض کردوں کہ مجھے قلبی اطمینان نہیں ہے، مگر ایسے حالات میں چھوڑنے سے بالکل مدرسہ ختم ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ جو کام کے مدرسین ہیں، وہ صرف میری وجہ سے وابستہ ہیں، میری علیحدگی پر وہ فوراً الگ ہوجائیں گے، کیونکہ ان

کے لیے صوبہ سرحد کے ہر مدرسے کے بلاوے آرہے ہیں مزید راحت اور مزید تنخواہوں کے ساتھ۔ میں صرف اس اندیشے سے یہ بے مزہ، بدمزہ، بے اطمینان کی زندگی فی الحال اختیار کرتا ہوں اور جب تک آپ کا سایہ پاکستان پر قائم رہے گا، ہم نیوٹاؤن (بنوری ٹاؤن) سے قلبی روحانی طور سے وابستہ رہیں گے، بلکہ میدانِ قیامت میں آپ کے دامن سے وابستہ رہنے کے متمنی ہیں اور امیدوار ہیں۔

سیدی! خدا کی قسم! ایک بے مروت دنیا میں زندگی بسر کررہا ہوں، نہ کوئی انیس ہے، نہ کوئی محب، نہ کوئی مخلص، آپ کے دامن سے ظاہری جدائی کی سزا موت ہی پر جا کر ختم ہو تو غنیمت ہے، کہیں بعد الموت باقی نہ رہ جائے، ایک ہفتہ سے خدا کی قسم ہر حالت خلوت میں آپ کے فراق کے آنسو بے اختیار آنکھوں سے بہتے رہتے ہیں، واللہ اعلم کیا وجہ ہے؟ والله شاهد على ما أقول.

ہم نے آپ کے اِعزاز و اکرام کی قدر نہ کی تو اب یہ ذلت وہوان ضرور پہنچ کر رہے گی، جیسا کہ یہ مقولہ مشہور ہے: ''من لم تصلحه الكرامة أصلحه الهوان، ومن طلب فوق قدره استحق الحرمان.''(۱) یہ دونوں جملے مجھ فقیر پر خوب چسپاں ہیں، اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ شانہ ہم جیسے ضعفاء سے اپنے رحم وکرم کا معاملہ فرمائے۔

رمضان میں حرمین شریفین کے سفر کی اطلاع ہوجائے تو بے انتہا نوازش ہوگی، میں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے عَوْد (واپسی) پر حاضرِ خدمت ہوں گا اور ایک ہفتہ کم سے کم خدمت میں گزاروں گا، اللہ تعالیٰ کرے کہ صحت وعافیت کے ساتھ ملاقات نصیب ہو۔

برادرم حسین احمد نے آپ کے لیے ایک نافہ کا غذی قسم کا عمدہ خریدا ہے، تقریباً دو تولے وزن کا، بعد العید ان شاء اللہ وہ بھی اپنے کاروباری سلسلہ (میں) شاید میرے ساتھ رفیق ہو تو وہ نافہ ساتھ لے آئیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ رمضان مبارک اور خصوصاً حرمین کی دعاؤں میں ہم بھی امیدواروں میں سے ہیں، محروم نہ فرمائیں۔ قبلہ آغا جی مدظلہم اور برادرم محمد صاحب (بنوری) کو سلام عرض ہیں۔

فضل محمد

مدرسہ مظہر العلوم، منگورہ، سوات

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

(۱) جسے اعزاز وتکریم راس نہ آئے تو ذلت ہی اس کے مناسب ہوتی ہے اور اپنے قد کاٹھ سے بڑھ کر عزت کا طالب ہو وہ محرومی کا مستحق ہوتا ہے۔

سوشل میڈیا کے مصلحین ومفکرین

مولانا محمد رضی الرحمٰن قاسمی
ینبع ، مدینہ منورہ

دعوتِ محاسبہ

ذرائع ابلاغ میں انقلابی تبدیلیاں

گزشتہ چند دہائیوں میں ذرائع ابلاغ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، اخبار و رسائل سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا دور آیا، پھر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے آنے سے ذرائع ابلاغ اس قدر تیز ہوگیا ہے کہ چند دہائیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

کچھ فائدے

ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری سے یقیناً بہت سارے فائدے بھی ہوئے ہیں کہ پہلے جن معلومات کے حصول اور ترسیل میں دنوں، ہفتوں، مہینوں؛ بلکہ سالوں گزر جاتے تھے، ان کا حصول اور ان کی ترسیل چند گھنٹوں، چند منٹوں، بلکہ چند پلوں میں ممکن ہوگئی ہے، یقیناً یہ بڑا انقلاب ہے اور اس کی وجہ سے بہت سارے کاموں میں بہت زیادہ اِنرجی اور وقت بچ جاتے ہیں۔

دعوتی نقطۂ نظر سے بھی ذرائع ابلاغ کی اس ترقی کی وجہ سے کام بہت آسان ہوگیا ہے کہ اپنی چیزیں اور اسلام کا آفاقی پیغام بہتر سے بہتر اُسلوب میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا نہایت ہی آسان ہوگیا ہے، اسی طرح ملحدین، اسلام دشمن عناصر اور مسلمانوں کے بیچ اور دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں شبہات پیدا کرنے والوں کا تحقیقی اور بہ وقتِ ضرورت مسکت جواب دینا اور اسے بڑے پیمانے پر لوگوں تک پہنچانا بھی بہت ہی سہل ہوگیا ہے۔

علمی وتحقیقی میدان میں کام کرنے والے افراد کے لیے بھی یہ سہولت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ مواد

اور معلومات تک بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں اور اس حوالے سے دوسرے ایکسپرٹ اور متخصص لوگوں کی آراء، نقطہ ہائے نظر اور تحقیق سے بہ آسانی استفادہ کرکے اپنے کام کو زیادہ باوزن اور مفید بنا سکتے ہیں اور اس کے بعد اپنی کاوشوں کو استفادے کے لیے بڑے پیمانے پر نشر کرسکتے ہیں۔

چند نقصانات

ان جیسے اور دوسرے بہت سارے فائدوں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری نے اور خاص کر سوشل میڈیا کے بہت زیادہ رواج پا جانے اور ہر عام وخاص کی اس تک بہ سہولت رسائی نے افراتفری کا ماحول اور انفرادی واجتماعی سطح پر انسانی، مذہبی، سماجی اور اخلاقی ایسے چیلنجز کھڑے کردیے ہیں، جن کا تصور چند دہائیوں قبل ممکن نہیں تھا اور ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری خاص کر سوشل میڈیا کے بہ آسانی ہر عام وخاص تک رسائی نے اکثر لوگوں کے حق میں ایسی صورت حال پیدا کردی ہے، جیسے کہ ناسمجھ بچوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے چھری اور دوسری مہلک چیزیں دے دی جائیں کہ ان چیزوں کا یقیناً صحیح استعمال بھی ہے اور انسانیت کو اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بہت سارے فائدے بھی ہیں؛ لیکن ناسمجھ بچوں کے ہاتھ میں اُن کا ہونا نقصان، تباہی اور ہلاکت وبربادی ہی کا سبب بن سکتا ہے۔

مختلف سروے کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے، بلکہ ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان اپنے اردگرد کے مشاہدے کے ذریعے بھی یہ جان سکتا ہے کہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے صارفین میں زیادہ تر لوگ اِن کا اوسطاً 90٪ کے آس پاس بے مقصد اور بسا اوقات تباہ کن استعمال کرتے ہیں۔ اور روزانہ کئی کئی گھنٹے عمر عزیز کے قیمتی اوقات کو ضائع کرتے ہیں؛ حالانکہ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ ''زندگی درحقیقت وقت ہی کا نام ہے جو کہ ہمیں پیدائش سے لے کر موت کے بیچ تک ملتا ہے۔'' گویا کہ وقت کو ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے۔

سوشل میڈیا کے مصلحین ومفکرین

سوشل میڈیا کے اس پھیلاؤ نے ایک اور بڑا مسئلہ یہ پیدا کیا ہے کہ دینی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی، تاریخی اور مختلف میدان میں بزعم خود مصلحین اور مفکرین کا ایک بڑا جتھا اپنے خیال کے مطابق انسانیت کی اصلاح اور اس کو نفع پہنچانے کے لیے سوشل میڈیا پر کمربستہ ہوگیا ہے۔

سوشل میڈیا کے مصلحین ومفکرین کے نمایاں اوصاف

ان مصلحین اور مفکرین کی کارکردگی اور چند نمایاں اوصاف یہ ہیں:

❶- یہ اپنے موضوع سے متعلق بلکہ غیر متعلق ہر اہم اور غیر اہم، بلکہ لغو قسم کی باتوں کو نقل کرنا اور

دوسروں تک پہنچانا اپنی نہایت ہی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں ۔

❷ - اپنے موضوع سے متعلق اور غیر متعلق مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا اور ان کے بارے میں اپنی معقول اور نامعقول رائے اور تجزیہ پیش کرنا نہایت ہی اہم فریضہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں ۔

❸ - بیہودہ باتوں کو اور ایسی باتوں کو جو لوگوں کی کردار کشی پر مشتمل ہوں اور جن میں استہزاء اور مذاق اُڑایا گیا ہو، انہیں بہ زعم خود بغرضِ اصلاح نہایت ہی مخلصانہ طور پر لوگوں کے درمیان پھیلاتے ہیں ۔

❹ - بدزبانی اور بیہودہ جملوں کا بے دریغ استعمال نہ صرف روا سمجھتے ہیں ؛ بلکہ انھیں اپنے لیے باعثِ عزت وفخر گردانتے ہیں ۔

❺ - ان کی تحقیقی باتوں میں حقیقتاً تحقیق اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی سچی طلب اور جستجو کے بجائے بدگمانی کا عنصر بڑی وافر مقدار میں ہوتا ہے ۔

❻ - ''بغرضِ اصلاح'' مختلف موقعوں پر اپنی بات کی تائید وتصویب میں جھوٹ، دجل وفریب اور حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا بھی کام کرتے ہیں ۔

❼ - اللہ نے بحیثیت انسان ہر شخص کو عزت وتکریم سے نوازا ہے، یہ اپنے اس طرح کے طرزِ عمل سے جہاں دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہیں اپنی سطحیت اور گری ہوئی سوچ کا اظہار کر کے اپنے آپ کو بڑے پیمانے پر بے عزت کرنے کا سبب بنتے ہیں ۔

سوشل میڈیا کے مصلحین ومفکرین کا طرزِ عمل دین اور اخلاق کے میزان میں

جو لوگ ملحد ہوں، دین اور اخلاق دونوں سے عاری ہوں یا مذہب کے پیروکار ہوں، لیکن اخلاق سے عاری ہوں، ایسے لوگوں کے حق میں تو صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ عز وجل ان کے اندر دین واخلاق پیدا کرے یا یہ کہ اخلاقی قدروں سے ان کی زندگی کو آراستہ کرے!

درج ذیل معروضات ان سوشل میڈیا کے مفکرین ومصلحین کی خدمت میں پیش ہیں، جو نہ تو دین کے منکر ہیں اور نہ ہی ایسے ہیں کہ اخلاقی قدروں کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے :

① - پہلی بات یہ ہے کہ سماجی اور عقلی طور پر بھی یہ ایک مبینہ حقیقت ہے کہ وہ شخص جو ہر سنی ہوئی اور اس تک پہنچی ہوئی باتوں کو نقل کرتا ہے اور آگے پہنچاتا ہے، وہ بہت ساری باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے یا کسی جھوٹے کا آلہ کار بنتا ہے، اسی حقیقت کو سید الاولین والآخرین محمد عربی ﷺ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :

''كفى بالمرء كذبًا أن يحدث بكل ما سمع .'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵)

ترجمہ: ''کسی انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے ۔''

یہ بات بھی واضح رہے کہ As Received لکھ دینے سے انسان جھوٹے ہونے کے دائرہ سے

نہیں نکل جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نہایت ہی سادہ سا سوال ہے کہ کسی بھی فرد کو اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی یا اس تک پہنچی ہوئی بات کو دوسروں تک ضرور منتقل کرے ہی؟!

②- دوسری بات یہ ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے یا سوشل میڈیا پر آنے والے ایسے مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا یا ان پر کوئی مختصر یا مفصل تجزیاتی تحریر لکھنا جس کا دینی و دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو، لغو کام ہے۔ اور ایک مسلمان کو اور اچھے اخلاق کے حامل فرد کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ لغو کاموں میں اپنا وقت اور اپنی طاقت صرف کرے، چنانچہ اللہ عز وجل نے مومنوں کے اوصاف میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ لغو کاموں کے پاس سے اعراض کر کے گزر جاتے ہیں:

’’وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا‘‘ (الفرقان:۷۲)

اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو ایک اچھے مسلمان کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے مکمل طور پر اجتناب و اعراض کرے: ’’من حسن إسلام المرء تركهٗ مالا يعنيه.‘‘ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۳۱۷)

③- تیسری بات یہ ہے کہ بے ہودہ اور فحش باتوں کو پھیلانا نہ تو کسی صاحبِ ایمان کو زیب دیتا ہے اور نہ ہی اچھے اخلاق کے تقاضوں سے میل کھاتا ہے، قرآن کریم نے فحش اور بیہودہ باتوں اور چیزوں کو پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے:

’’إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ‘‘ (النور:۱۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ’’مسلمان بیہودہ گوئی کرنے والا اور فحش باتیں کرنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔‘‘ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۷۷)

اور قرآن وسنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسی باتیں جو کسی کے استہزا پر مشتمل ہوں، بدترین قسم کا اخلاقی جرم اور صریح ظلم ہے۔ (الحجرات: ۱۱، سنن ابوداود، حدیث نمبر: ۴۸۷۵، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۰)

④- چوتھی بات یہ ہے کہ بدگمانی ایک نہایت ہی بدترین قسم کی صفت ہے، چنانچہ اسی وجہ سے اللہ عز وجل نے بدگمانی تو کجا بہت زیادہ گمان اور ظن سے بھی کام لینے سے منع فرمایا:

’’يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ‘‘ (الحجرات:۱۲)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔‘‘

⑤- پانچویں بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنا وہ بدترین عمل ہے جو عقل، شریعت اور سماج ہر ایک کی نگاہ میں قابلِ مذمت ہے۔ قرآن وسنت کے مختلف نصوص میں بھی اس کی قباحت وشناعت کا ذکر موجود ہے۔‘‘ (حج: ۳۰،

صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۳)

⑥- چھٹی بات یہ ہے کہ بحیثیت انسان اللہ عز وجل نے ہر انسان کو معزز و مکرم بنایا ہے، قرآن کریم میں ہے:

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ'' (الاسراء:۷۰)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو باعزت بنایا۔''

اور یہ کہ عزت اور ذلت اللہ عز وجل کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ'' (آل عمران:۲۶)

ترجمہ: ''اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔''

اپنی باتوں اور کارکردگی کے ذریعے کسی کو بے عزت کرنے کی کوشش کرنا نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنا عمل ہے۔ نیز جھوٹ، بدگمانی، دجل وفریب، استہزاء، نامعقول رائے اور لغو قسم کی باتوں کے ذریعے دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش درحقیقت اپنے آپ کو بھی بے عزت کرنے کو مستلزم ہے اور خود کو بے عزت کرنے کی کوشش عقل وشرع دونوں کے میزان میں ایک احمقانہ حرکت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اللہ عز وجل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے بھیجا تھا، لیکن قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بہتر اسلوب میں اللہ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، زبردستی لوگوں کو دین پر لانا اور اُن کو اچھے اخلاق سے متصف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ کار میں نہیں ہے: ''لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ'' (الغاشیۃ: ۲۲، نیز دیکھیے: الکہف: ۶)

ہم اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت واصلاح کے کاموں میں نائب ہیں، لہٰذا ہماری بھی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ ہم لوگوں تک صحیح پیغام پہنچانے کی کوشش کریں؛ لیکن اصلاح کی اس کوشش میں یہ ہمارے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ صحیح اسلامی اور اخلاقی خطوط پر یہ کام کریں، اصلاح کے نام پر غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اصلاح کا طریقہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے نفس اور شیطان کی پیروی ہے اور اپنے اندر پائی جانے والی غیر اخلاقی خواہشات کی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ سوشل میڈیا کے ایسے مصلحین اور مفکرین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ کتاب وسنت، عقلِ سلیم اور اخلاق کے معیار کو سامنے رکھ کر یہ غور کریں کہ کیا واقعی وہ مصلحین اور مفکرین ہیں یا اپنے غیر اخلاقی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں؟! اور درحقیقت اصلاح کے پردے میں فساد پھیلانے کا بدترین کام کر رہے ہیں؟! جس پر اللہ عز وجل نے سخت وعید فرمائی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند)

مختلف علوم وفنون

اور اُن کے حاصل کرنے کے فقہی احکام ومراتب

مفتی عبید الرحمٰن (مردان)

حصولِ علم سے متعلق نصوص کی تعلیم

قرآن وحدیث میں حصولِ علم کی جو کچھ ترغیب وفضائل وارد ہوئے ہیں، وہ کسی بابصیرت شخص سے مخفی نہیں ہیں۔ فضائل وترغیب سے کسی چیز کا ندب واستحباب ثابت ہوجاتا ہے، بعض روایات میں اس کے حاصل نہ کرنے پر وعید بھی وارد ہوئی ہے، اسی طرح بعض نصوص میں اس کو لازم بھی قرار دیا گیا ہے، جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ علم حاصل کرنا شریعت کی نظر میں صرف مستحب یا مندوب ہی نہیں ہے، بلکہ واجب اور ضروری بھی ہے۔

ان نصوص کے ظاہر کو دیکھا جائے تو اگر چہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علم کا حاصل کرنا واجب اور ضروری ہو، لیکن اس بات پر بھی اُمت کا اتفاق رہا ہے کہ ہر شخص پر ہر قسم کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے مختلف حصے ہیں، جن کے احکام بھی مختلف ہیں، چنانچہ علم کا ایک حصہ وہ ہے جس کا علم ہر شخص کے لیے لازم ہے، جس کو فرضِ عین کہا جاتا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جو ہر شخص کی ذمہ داری تو نہیں ہے، تاہم مجموعی طور پر امت اس کی ذمہ دار ہے، اس کو ''فرضِ کفایہ'' کہا جاتا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جو ان دونوں سے زائد ہے، اس کو ''مستحب'' کہا جاتا ہے، اسی طرح اور بھی مختلف درجات ہیں۔ ''أشباہ'' میں ہے:

''فائدة: تعلم العلم يكون فرض عين، وهو بقدر ما يحتاج إليه لدينه. وفرض كفاية، وهو ما زاد عليه لنفع غيره. ومندوبًا، وهو التبحر في الفقه وعلم القلب. وحرامًا، وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل وعلم الطبيعيين والسحر، ودخل في الفلسفة المنطق. ومن هٰذا القسم علم الحرف والموسيقي. ومكروهًا، وهو أشعار المولدين من الغزل والبطالة.

ومباحًا، كأشعارهم التي لاسخف فيها.''

ترجمہ: ''دینی ضرورت کی حد تک علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے، اس سے زائد دوسروں کے نفع کے لیے علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں مہارت پیدا کرنا مستحب ہے۔ فلسفہ، منطق، شعبدہ بازی (مداری فن)، علمِ نجوم، علمِ رمل، علومِ طبعیات اور علمِ سحر بشمول علمِ حرف اور علمِ موسیقی، یہ سب حرام ہیں۔ مولدین (متاخرین) کے اشعار، غزلیں، عشقیہ اشعار مکروہ ہیں، البتہ ان لوگوں کے وہ اشعار جن میں کوئی بری بات نہ ہو، وہ مباح ہے۔''

ذیل میں بقدرِ ضرورت اس کی تفصیل لکھی جاتی ہے:

حکم کے اعتبار سے علوم کی چھ قسمیں

علم کی پہلی قسم

اس حد تک علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے، جس پر اپنے دینی واجبات وفرائض کی تحصیل موقوف ہو، اس کے تحت نماز، روزہ اور غسل وطہارت کے وہ موٹے موٹے مسائل داخل ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جن مسائل کے ساتھ ہر شخص کا تعلق ہو، وہ ہر شخص کے لیے سیکھنا ضروری ہیں، اور جن مسائل کا تعلق خاص افراد کے ساتھ ہو، ان کا سمجھنا ان خاص افراد کے لیے واجب ہے۔ اسی طرح جو مسائل ہر وقت پیش آتے ہوں، ان کا علم ہر وقت کے لیے حاصل کرنا ضروری ہے اور جو خاص حالات واوقات میں پیش آتے ہوں، ان کا علم انہی مواقع کے لیے ضروری ہے، لہٰذا کوئی شخص صاحبِ نصاب ہو، تو اس کے لیے زکوٰۃ کے ضروری مسائل سیکھنا لازم ہے۔ کوئی شخص صاحبِ استطاعت ہے، اس پر حج کے احکام جاننا لازم ہے۔ کوئی شخص تجارت وملازمت کر رہا ہے، اس پر اپنی تجارت وملازمت کی حد تک ضروری ضروری باتوں کا شرعی حکم جاننا واجب ہے۔ کوئی شخص زراعت وحرفت کا مشغلہ رکھتا ہے تو اس پر اپنے متعلقہ شُغل سے متعلق شرعی مسائل واحکام معلوم کرنا ضروری ہے۔

علم کی دوسری قسم

اپنی ضرورت واحتیاج سے بڑھ کر دوسرے مسلمانوں کی ضرورت واحتیاج کی باتوں کا جاننا فرضِ کفایہ ہے، اس کے تحت وہ تمام علوم داخل ہو جاتے ہیں جن پر کوئی دینی یا دنیوی ضرورت وحاجت موقوف ہو۔ دینی علوم میں اس کی مثال علمِ فقہ کے وہ مسائل ہیں جن کے ساتھ خود اس جاننے والے کا واسطہ پیش نہ آتا ہو، لیکن عام امت یا اس کے کچھ افراد کی ضرورت اس کے ساتھ وابستہ ہو، مثال کے طور پر زید خود صاحبِ نصاب نہیں ہے، لیکن وہ صاحبِ نصاب افراد کی ضرورت پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ واجب ہونے اور اس

کی ادائیگی وغیرہ سے متعلق مسائل معلوم کرتا ہے۔ وہ صاحب استطاعت نہیں ہے کہ اس کی طرف حج کا حکم متوجہ ہو، لیکن صاحبِ استطاعت افراد کے لیے حج کے مسائل جاننے کی کوشش کرتا ہے، یہ سب فرضِ کفایہ ہے۔ علامہ سنان الدین اماسیؒ اور علامہ ابن عابدینؒ کے ہاں اس ضمن میں علمِ نحو، لغت، کلام، قراءات، علمِ اصولِ حدیث میں اسناد سے متعلق مباحث، علمِ میراث، معانی، بیان، بدیع، اصول اور علمِ ناسخ ومنسوخ سب داخل ہیں۔ دنیوی علوم وفنون میں اس کے تحت وہ تمام فنون داخل ہوجاتے ہیں، جن پر ملت کی بقاء وحفاظت اوراس کی درپیش ضروریات کی تکمیل موقوف ہو۔ ریاضی، طب، تجارت وحرفت، زراعت ومعیشت اور ایک حد تک سائنس وٹیکنالوجی وغیرہ سب اس کے تحت داخل ہوجاتے ہیں۔

علم کی تیسری قسم

علوم کا تیسرا حصہ وہ ہے جو مندوب اور مستحب ہے، یہ وہ حصہ ہے جو فرضِ عین اور کفایہ کی مقدار سے زائد ہو۔

علم کی چوتھی قسم

علوم کی چوتھی قسم یا چوتھا حصہ وہ ہے جو ’’حرام‘‘ ہیں، اس کے تحت ’’درمختار‘‘ وغیرہ کتابوں میں درج ذیل علوم کو گنوایا ہے:

۱: علمِ فلسفہ، درمختار میں اسی کے ضمن میں علمِ منطق کو بھی داخل فرمایا گیا ہے۔ ۲: شعوذہ (مداری پن)۔ ۳: علم نجوم۔ ۴: علمِ رمل۔ ۵: علمِ طبیعی۔ ۶: سحر کا علم۔ ۷: کہانت۔ ۸: علمِ حرف۔ ۹: علمِ موسیقی۔ (جن کے مقاصد ووسائل ہونے کے اعتبار سے اور اغراض واہداف کے اعتبار سے احکام میں تفصیل ہے، کما سیأتي)

علم کی پانچویں قسم

معلومات کا چوتھا حصہ وہ ہے جو شرعی نقطۂ نظر سے مکروہ ہے، اس کے تحت ان شاعروں کے غزل واشعار داخل ہیں جو قدیم شعراءِ عرب کے بعد آئے ہیں۔

علم کی چھٹی قسم

چھٹی قسم مباح ہے۔

اس تقسیم کا تجزیہ

یہ تقسیم اپنی جگہ بالکل درست ہے اور اکابر اہلِ علم نے اپنی اپنی کتابوں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اس کو ذکر فرمایا ہے، تاہم ایک تو اس سے ’’علم کے احکام‘‘ کا پورا ضابطہ سامنے نہیں آتا، کیونکہ زیادہ

تر اس میں مثالوں پر اکتفا فرمایا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اپنے ماحول وزمانے کے مطابق دینی علوم وفنون کو ہی زیادہ تر پیشِ نظر رکھا گیا ہے، اس زمانے میں نہ عصری علوم کی بہتات تھی اور نہ ہی اس وقت کا معاشرہ اس قدر مادیت زدہ ہو چکا تھا، جتنا اس وقت ہمارا معاشرہ ہے، مادیت پسندی کی وجہ سے دنیوی علوم وفنون کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہے اور بہت قلیل طبقہ وہ ہے جن کا دینی مقاصد کے تحت دینی علوم کی طرف التفات رہتا ہے۔

ان دو وجوہات کا نتیجہ ہے کہ اس تقسیم سے موجودہ دور کے تمام علوم وفنون کے احکام معلوم نہیں ہوتے، جبکہ ضرورت اسی بات کی ہے، اس کے پیشِ نظر اس ناکارہ نے اصل مراجع کی طرف بار بار مراجعت کی اور ان کی روشنی میں کوئی جامع ضابطہ متعین کرنا چاہا، ذیل میں وہی ضابطہ ذکر کیا جاتا ہے۔

منقح ضابطہ

علم حاصل کرنے کا کیا حکم ہے؟ کب اس کا حاصل کرنا ضروری، مستحب اور کب ناجائز وحرام ہوتا ہے؟ اس کے متعلق جامع ضابطہ درج ذیل نکات کی شکل میں ذکر کیا جاتا ہے:

❶: علم حاصل کرنے کا حکم معلوم کے تابع ہے، یعنی: جس چیز کو معلوم کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت کے مطابق علم حاصل کرنے کا حکم ہوگا۔ اگر کسی کے حق میں کوئی چیز فرضِ عین ہے اور جانے بغیر اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا تو اس چیز کو جاننا بھی اس شخص کے حق میں فرضِ عین ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فرضِ عین علم اَفراد اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے، بعض افراد کے حق میں ایک چیز کا علم فرضِ عین ہوتا ہے، دوسرے کے حق میں فرضِ عین نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اوقات کسی چیز کا جاننا فرضِ عین ہوتا ہے، جبکہ دوسرے اوقات واحوال میں ایسا نہیں ہوتا، چنانچہ زکوۃ اور روزے کے واجب ہونے کے موقع پر ان کے ضروری مسائل کو جاننا واجب ہے، دیگر مواقع پر ہر شخص کے ذمہ یہ فرضِ عین نہیں۔ ہاں! البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو ہر مسلمان کے ساتھ متعلق ہیں، ان کا جاننا بھی ہر مسلمان پر ضروری ہے، مثال کے طور پر طہارت ونماز کے ضروری مسائل، اللہ تعالیٰ کے وجود، وحدانیت اور استحقاقِ عبادت جیسی ضروری اور بنیادی نوعیت کی باتیں۔

❷: شریعت کے علوم وتعلیمات کا تحفظ فرضِ کفایہ ہے، لہٰذا مستحب اور مندوب امور کا علم ہر شخص کے لیے تو ضروری نہیں ہے، تاہم مجموعی طور پر اُمت کی ذمہ داری اور ان کا فرضِ منصبی ہے۔

❸: اصل ضابطہ تو یہی ہے کہ علم کا حکم معلوم کے حکم کے ساتھ مربوط ہے، تاہم کچھ عناصر کی وجہ سے علم کا حکم معلوم کے حکم سے کچھ مختلف ہو جاتا ہے، ایسے امور بنیادی طور پر درج ذیل تین ہیں:

الف: مقاصد واہداف۔ بعض اوقات کوئی علم خود جائز، ضروری ہوتا ہے، لیکن ناجائز مقصود اس

کے حاصل کرنے کو ناجائز بنادیتا ہے، اسی طرح بعض اوقات کوئی علم بذاتِ خود مکروہ ومذموم ہوتا ہے، لیکن اچھی نیت اور بھلے قصد کی وجہ سے اس کی کراہت جاتی رہتی ہے اور وہ مندوب ومستحب تک ہوجاتا ہے۔

چنانچہ متعدد احادیثِ مبارکہ میں دینی علوم کو حب جاہ یا مال کے جذبے سے حاصل کرنے کی سخت مذمت فرمائی گئی ہے، حالانکہ علوم دین کا سیکھنا کم ازکم مستحب ہے، اسی طرح اگر مسلمانوں سے سحر کا دور کرنا کسی اور محفوظ ومباح طریقے سے ممکن نہ ہوتو بقدرِ ضرورت سحر سیکھنا بھی مباح ہے، حالانکہ یہ اصلاً حرام علوم میں سے ہے۔

ب: ذریعہ ووسیلہ۔ خارجی عناصر میں سے دوسری چیز ''علم کے ذرائع ووسائل'' ہیں، بعض اوقات خود کوئی چیز جائز بلکہ ضروری ہوتی ہے، لیکن اس کے حاصل کرنے کا طریقہ جائز نہیں ہوتا اور اسی ذریعے کی وجہ سے اس میں کراہت یا حرمت پیدا ہوجاتی ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص علم دین سیکھنے کے لیے کوئی دینی کتاب چوری کرے اور اس سے علم سیکھتا رہے، اسی طرح ''عصری علوم کے حکم'' کے ذیل میں ذکر کردیا جائے گا کہ مخلوط نظامِ تعلیم کی وجہ سے بہت سے مفید دنیوی علوم کو سیکھنا بھی ممنوع ومذموم ہوجاتا ہے۔

ج: نتائج وثمرات: بسا اوقات کسی بات کا علم/فن بذاتِ خود تو ناجائز یا حرام مواد پر مشتمل نہیں ہوتا، لیکن بعض افراد کے حق میں اس کے برے نتائج وثمرات ظاہر ہوتے ہیں، ایسے افراد کے حق میں اس کا حاصل کرنا بھی ممنوع ومذموم بن جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس تیسرے عنصر کی بنیاد پر کونسا علم بہرحال مکروہ وممنوع شمار ہوگا اور کونسا خاص افراد کے حق میں ممنوع قرار پائے گا؟

تو جواب یہ ہے کہ اگر کوئی علم تمام افراد یا اکثر افراد کے حق میں مضر ثابت ہوتا ہے تو سب کے حق میں اس کی مذمت وممانعت کی جائے گی اور اگر کوئی علم ایسا ہے کہ وہ سب یا اکثر لوگوں کے حق میں ضرر وفساد کا باعث نہ ہو، لیکن بعض افراد اس کی وجہ سے بگڑتے ہوں تو ایسے علم کا حکم یہ ہے کہ جس کے حق میں فساد تک پہنچانے کا اندیشہ ہو، اس کے حق میں ممنوع قرار دیا جائے گا اور جس کے حق میں ایسا اندیشہ نہ ہو، اس کے حق میں اس کی اجازت دی جائے گی، تاہم دینی خیرخواہی کا تقاضا ہے کہ متعلقہ مفاسد ومنکرات سے متعلق بھی آگاہی دی جاتی رہے۔

''علم نجوم'' کے حکم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ''إحياء العلوم'' میں ہے:

''وإنما زجر عنه من ثلاثة أوجه: أحدها أنهٗ مضر بأكثر الخلق، فإنهٗ إذا أُلقي إليهم أن هٰذه الآثار تحدث عقيب سير الكواكب وقع في نفوسهم أن الكواكب هي المؤثرة وأنها الآلهة المدبرة.''

ترجمہ: ’’تین وجوہات کی وجہ سے علمِ نجوم ممنوع ہے: اول یہ کہ اکثر لوگوں کے حق میں یہ نقصان دہ ہے، کیونکہ جب ان کے دل میں آتا ہے کہ یہ آثار ستاروں کی حرکت کے بعد پیدا ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ بات جاگزیں ہوتی ہے کہ یہی ستارے ہی مؤثر، معبود اور تدبیر کے مالک ہیں۔‘‘

’’فتاویٰ شامی‘‘ میں بھی اس عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔

’’علمِ طبیعی‘‘ کے متعلق ’’رد المحتار‘‘ میں ہے:

’’وفي فتاوی ابن حجر: ما كان منه على طريق الفلاسفة حرام؛ لأنه يؤدي إلٰى مفاسد كاعتقاد قدم العالم ونحوه وحرمته مشابهة لحرمة التنجيم من حيث إفضاء كل إلى المفسدة.‘‘

ترجمہ: ’’علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ: جو علمِ نجوم فلاسفہ کے طرز پر ہو وہ حرام ہے، کیونکہ وہ کئی مفاسد کا باعث ہے، مثلاً: عالم کا قدیم ہونا وغیرہ اور اس کی حرمت بھی علمِ نجوم کی طرح ہے کہ دونوں فسادِ اعتقاد کے باعث ہیں۔‘‘

اسی کتاب میں ’’علمِ رمل‘‘ کے حکم کے ضمن میں مرقوم ہے:

’’وفي فتاوی ابن حجر أن تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من إيهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالٰى في غيبه.‘‘

ترجمہ: ’’علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ: علم رمل کا سیکھنا، سکھانا بالکل حرام ہے، کیونکہ اس کی بنیاد پر عوام کو یہ غلط فہمی لاحق ہوسکتی ہے کہ اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ علمِ غیب کی صفت میں شریک ہے۔‘‘

عصری تعلیم حاصل کرنے کا حکم

عصری علوم کی شرعی حیثیت

یہاں دو چیزوں کو الگ الگ رکھنا اور سمجھنا ضروری ہے، ایک عصری علوم ہیں اور ایک ان کو حاصل کرنے کا عصری نظامِ تعلیم ہے، دونوں کا حکم الگ الگ ہے:

الف: چنانچہ جن علوم وفنون پر ’’عصری علوم‘‘ کا اطلاق کیا جاتا ہے، ان میں سے بہت سے مفید علوم فنون بھی ہیں، جن سے اجتماعی زندگی میں بیش بہا فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کی اُمت کو ضرورت ہے اور فی زمانہ ان میں مہارت حاصل کیے بغیر اُمت کی حفاظت کرنا ہی ناممکن یا مشکل

ہے۔ بدقسمتی سے بعض ایسی چیزوں کو بھی علم وفن کا درجہ دیا گیا ہے جن کے مقاصد ونتائج شرعی تعلیمات سے متصادم ہیں، اس لیے درج بالا ضابطے کے مطابق ان میں سے بعض علوم کی حیثیت فرضِ کفایہ، بعض کی مندوب ومستحب، جبکہ بعض کی مکروہ ومذموم کی ہے۔

عصری نظامِ تعلیم میں علم حاصل کرنا

ب: دوسری چیز عصری نظامِ تعلیم ہے، اس کا حکم مختلف ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں عصری علوم کا جو نصاب ونظام رائج ہے، ان دونوں میں بعض سنگین قسم کی غلطیاں پائی جاتی ہیں، ان غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ جو اَفراد اس سے گزر جاتے ہیں، ان پر اس کے برے اثرات اور غلط نتائج مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ ہمارا محدود مشاہدہ یہ ہے کہ معاشرے میں تین قسم کے اَفراد اس نظام سے گزرتے ہیں:

❶: ٹھیٹھ دینی اور مذہبی سوچ وخاندان والے افراد، ان میں سے بہت سے افراد اس کے مضر اثرات سے محفوظ ہوجاتے ہیں، لیکن اس طبقے کی بھی ایک خاصی بڑی اور قابلِ لحاظ تعداد ایسے ہی افراد کی ہے جو اس نظام میں رہنے کی وجہ سے متعدد عملی اور نظریاتی کوتاہیوں اور گناہوں کے شکار ہو ہی جاتے ہیں۔

❷: بے دین اور آزاد خیال قسم کے لوگ، ان کی بے دینی اور آزاد خیالی میں اضافہ ہوجاتا ہے، بلکہ اس نظام سے ان کی ایک گونا تائید ہوتی ہے، ان کی بے دینی کے لیے مضبوط سہارا مہیا ہوجاتا ہے۔

❸: خالی الذہن افراد، ان کی اکثریت اس نظام میں کچھ عرصہ تک رہ کر بگڑ جاتی ہے، متعدد عملی اور نظریاتی منکرات وگمراہیوں کا شکار ہوجاتی ہے۔

گزشتہ عنوان ''منقح ضابطہ'' کے تحت جو تفصیلات ذکر کی گئیں ہیں، ان کی روشنی میں اس پر غور کیا جائے کہ کیا موجودہ نظامِ تعلیم میں رہ کر عصری علوم حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ شرعاً جائز نہیں ہے، حضرات فقہائے کرام نے ''علم نجوم'' وغیرہ کی ممانعت کی علت یہ ذکر فرمائی ہے کہ یہ اکثر لوگوں کو شرعی کوتاہیوں میں مبتلا کرنے کا باعث ہے، عصری نظامِ تعلیم میں اس سے بڑھ کر یہ خرابی پائی جاتی ہے۔

شرعی احکام میں کتنے اَفراد کا لحاظ ہوتا ہے

یاد رہے کہ بعض افراد اگرچہ اس نظام میں رہتے ہوئے بھی شرعی کوتاہیوں اور معاصی سے بچ جاتے ہیں، تاہم فقہی احکام کی تفریع وترتیب میں ہر ہر فرد ملحوظ نہیں ہوتا، بلکہ عام طور پر اکثر افراد کا لحاظ کیا جاتا ہے، بلکہ حضرات فقہائے کرام کی تمام تر جزئیات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو تحقیقی بات یہ سامنے آتی

ہے کہ:

الف: اگر کوئی چیز خود کسی معصیت کا سبب ہو، لوگوں میں کسی گناہ کا میلان وحرکت پیدا کرنے والی ہوتو وہ بہرحال ناجائز ہے۔

ب: کوئی چیز اس معنی میں معصیت کا سبب نہ ہو، لیکن بہرحال اس کی وجہ سے لوگ کسی گناہ کے شکار ہوجاتے ہوں، ایسی چیزوں کا شرعی حکم متعین کرنے میں عام افراد یا اکثر افراد کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

حضرات فقہائے کرام کی درج ذیل جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے، ان شاء اللہ! ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے:

''والأصل الفاصل بينهما أن ينظر إلى الأصل، فإن كان الأصل في حقهٖ إثبات الحرمة وإنما سقطت الحرمة لعارض، ينظر إلى العارض إن كان مما تعم به البلوى وكانت الضرورة قائمة في حق العامة فهي كراهة تنزيه، وإن لم تبلغ الضرورة هٰذا المبلغ فهي كراهة تحريم فصار إلى الأصل، وعلى العكس إن كان الأصل الإباحة ينظر إلى العارض، فإن غلب على الظن وجود المحرم فالكراهة للتحريم وإلا فالكراهة للتنزيه. ''

ترجمہ: ''فیصلہ کن ضابطہ یہ ہے کہ: کسی عمل (چیز) کے اصل کو دیکھا جائے: اگر کوئی چیز اصلاً حرام ہو، مگر اس کی حرمت کسی عارض کی وجہ سے ساقط ہوئی ہوتو دیکھا جائے گا: اگر عارض میں عمومِ بلویٰ ہو اور عوام الناس کی حد تک ضرورت درپیش ہو، تو وہ عمل مکروہِ تنزیہی قرار پائے گا۔ اگر عارض ضرورت کی حد تک نہ پہنچا ہو تو اصل کا لحاظ کرکے وہ مکروہِ تحریمی قرار پائے گا۔ اس کے برعکس اگر کوئی چیز اصلاً مباح ہو تو عارض کو دیکھا جائے گا: اگر غالب گمان کے مطابق اس میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ مکروہِ تحریمی قرار پائے گا، ورنہ مکروہِ تنزیہی۔''

''درِمختار'' میں ہے:

''(وذهب وحديد وصفر) ورصاص وزجاج وغيرها لما مر فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم ثبت كراهة بيعها وصيغها لما فيه من الإعانة على ما لايجوز وكل ما أدى إلى ما لا يجوز لا يجوز، وتمامه في شرح الوهبانية. ''

ترجمہ: ''سونا، لوہے، پیتل، تانبا، شیشہ وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال (پہننا) چونکہ ممنوع ہے، جب اس کا استعمال ممنوع ہے تو اس کا فروخت کرنا اور بنانا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس میں ناجائز کام میں تعاون ہے، اور جو چیز بھی ناجائز کام کا ذریعہ بنتی ہے، وہ ناجائز ہے۔''

''بدائع'' میں ہے:

’’ولأن الاستمتاع بها بما يقرب من الفرج سبب الوقوع في الحرام. قال رسول الله - ﷺ - ألا إن لكل ملك حمى وإن حمى الله محارمه، فمن حام حول الحمى يوشك أن يقع فيه وفي رواية من رتع حول الحمى يوشك أن يقع فيه، والمستمتع بالفخذ يحوم حول الحمى و يرتع حوله، فيوشك أن يقع فيه دل أن الاستمتاع به سبب الوقوع في الحرام وسبب الحرام حرام، أصله الخلوة بالأجنبية.‘‘

ترجمہ: ’’شرم گاہ کے آس پاس سے لطف اندوز ہونا حرام جماع کا ذریعہ ہے (اس وجہ سے منع ہے)۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ’’ہر بادشاہ کی ایک (شاہی) چراگاہ ہوتی ہے (جہاں عوام کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور وہاں داخل ہونا جرم قرار پاتا ہے) اور خدا تعالیٰ کی چراگاہ حرام چیزیں ہیں، جو شخص چراگاہ کے اردگرد گھومے گا تو خطرہ ہے کہ وہ اس میں پڑ جائے۔‘‘ دوسری روایت میں ہے کہ: ’’ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، جو چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے تو خطرہ ہے کہ اس میں پڑ جائے۔‘‘ تو حیض کی حالت میں بیوی کی ران سے لطف اندوز ہونا چراگاہ کے اردگرد گھومنا ہے تو ممکن ہے کہ شوہر جماع کر بیٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جگہ سے لطف اندوز ہونا حرام میں پڑنے کا ذریعہ ہے اور حرام کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کا مسئلہ ہے (کہ حرام کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے روایات میں اس سے ممانعت وارد ہے)۔‘‘

’’ہدایہ‘‘ میں ہے:

’’و لايقرب المظاهر ولا يلمس ولا يقبل ولا ينظر إلى فرجها بشهوة حتى يكفر‘‘؛ لأنه لما حرم الوطء إلى أن يكفر حرم الدواعي للإفضاء إليه، لأن الأصل أن سبب الحرام حرام كما في الاعتكاف والإحرام وفي المنكوحة إذا وطئت بشبهة.‘‘

ترجمہ: ’’کفارہ ادا کرنے سے پہلے ظہار کرنے والے کو بیوی کے پاس جانا، اسے مس کرنا، بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ شرم گاہ کو دیکھنا سب باتیں منع ہیں، کیونکہ جب کفارہ سے پہلے وطی حرام ہے تو اس کے دواعی بھی حرام ہیں، کیونکہ وہ حرام کے ذرائع ہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ: حرام کا ذریعہ بھی حرام ہے، جیسا کہ اعتکاف، احرام اور اپنی اُس بیوی کے ساتھ جس کے ساتھ شبہ کی بنیاد پر وطی کی گئی ہو، یہ باتیں ممنوع ہیں۔‘‘

درج بالا ضابطے کی روشنی میں مخلوط نظامِ تعلیم کو دیکھا جائے تو صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ

نظام خود معصیت کی طرف میلان وحرکت پیدا کرتا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ ہماری معلومات کے مطابق اکثر اہلِ فتویٰ علماء کرام اس نظم میں تعلیم حاصل کرنے کی ممانعت کرتے ہیں۔

کیا عصری علوم کو بالکل چھوڑا جائے؟

ہم پہلے وضاحت کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ عصری علوم اور عصری نظام ونصابِ تعلیم، دو جدا جدا چیزیں ہیں، دونوں کے احکام مختلف ہیں، لہٰذا تعلیم کے نظام ونصاب کی وجہ سے خود عصری علوم کی مذمت وممانعت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا کرنے کا کام یہ نہیں ہے کہ عصری علوم ہی سے ہاتھ دھو کر بیٹھ جائیں، بلکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان میں سے بعض علوم فرضِ کفایہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کو اجتماعی سطح پر چھوڑنا شرعی نقطۂ نظر سے درست ہی نہیں ہے۔ کرنے کا کام اگر ہے تو یہ ہے کہ: ہر مسلمان اپنی استطاعت کی حد تک نصاب ونظام کی تبدیلی اور دینی تعلیمات وہدایات کے مطابق اس کی تشکیلِ نو میں اپنا کردار ادا کرے۔ کوئی حکومتی ڈھانچہ میں خود یا بالواسطہ اثر ورسوخ رکھتا ہے تو وہ وہاں اس کام کے لیے فکرمندی کے ساتھ کام شروع کرے، کوئی اس طرح اثر ورسوخ نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی حد تک جو کچھ ہو سکے کر ڈالے، جب تک حکومتی لحاظ سے دینی تعلیمات کے مطابق ڈھانچہ تعمیر اور پھر رائج نہ ہو، اس وقت تک کچھ تجربہ کار اور فکر مند ایسے طریقوں سے ان علوم کے پڑھنے پڑھانے کا انتظام کریں جو شرعی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں۔

جس طرح عصری علوم کی تحصیل کو بالکل چھوڑنا اور اس پر اصرار کرنا دانش مندی سے متصادم اور انتہا پسندی ہے، یوں ہی ناجائز عناصر پر مشتمل نظام میں تعلیم حاصل کرنے پر اصرار کرنا بھی دانش مندی سے متصادم اور انتہا پسندی ہے۔ پہلی صورت میں اگر ضروری دنیوی تقاضے فوت ہوجاتے ہیں تو دوسری صورت میں دینی احکام سے روگردانی پائی جاتی ہے۔ دینی نفسیات کی کمزوری کا نتیجہ ہے کہ پہلی صورت کی تو مذمت کی جاتی ہے، لیکن دوسری صورت کی یا تو مذمت کرنے سے رُکا جاتا ہے اور یا اس کی تائید وتصویب کی جاتی ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُمتِ مرحومہ کی حالت پر خصوصی رحمتیں نازل فرمائیں، اس کو ذلت وپستی کے گڑھے سے نکال کر عزت ورفعت اور خلافت وقیادت کی اہلیت ولیاقت نصیب فرمائیں، تاکہ اس کا چھوٹا بڑا ہر منصوبہ دینی سانچے اور مذہبی قالب کے اندر ہو، واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ندیم احمد نصاری (ہندوستان)

حیات وتعلیمات

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ عالمِ باعمل، اور متبعِ شریعت ولی اللہ تھے۔ آپؒ کی ولایت اور مقام ومرتبہ خود آپؒ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام عبدالقادر بن ابو صالح عبداللہ بن جنگی دومت الجیلی (الجیلانی) ہے اور آپ کی کنیت ابومحمد، لقب محی الدین اور شیخ الاسلام ہے۔ آپؒ حنبلی مسلک کے پیروکار تھے۔ (سیر اعلام النبلاء) اور آپ کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد تھے۔ وہ بزبانِ خود فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ وہی ہے جو تمام صحابۂ کرامؓ اور سلفِ صالحینؒ کا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

آپؒ والدہ کی طرف سے حسینی اور والد کی طرف سے حسنی سید ہیں۔ صاحب ''بهجة الأسرار'' اور مولانا جامیؒ نے ''نفحات الأنس'' میں آپ کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: عبدالقادر بن ابی صالح جنگی بن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن سیدنا حضرت حسینؓ بن علیؓ اسد اللہ الغالب حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ اس طرح آپؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گیارہویں نسل تھے۔ (فیوضِ یزدانی)

آپؒ کی ولادت ۴۷۱ھ میں جیلان میں ہوئی۔ اسی نسبت سے آپ کو جیلانی کہتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

بچپن کا ایک سبق آموز واقعہ

جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے طلبِ علم کے لیے رختِ سفر باندھا تو آپؒ کی والدہ نے بغل کے نیچے گدڑی میں چالیس دینار سی دیے اور آپؒ کو دعا دیتے ہوئے کہا: اے عبدالقادر! میں تجھے نصیحت کرتی ہوں کہ ہمیشہ سچ بولنا اور کبھی جھوٹ بات منہ سے نہ نکالنا۔ اس کے بعد آپؒ ایک قافلے کے ساتھ بغداد کے لیے نکلے، اس سفر کے متعلق خود فرماتے ہیں: جب قافلہ ہمدان سے آگے بڑھا تو اچانک ڈاکو ہم پر ٹوٹ پڑے، انھوں نے

قافلے کا سارا مال لوٹ لیا؛ مگر مجھے کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر بعد میرے پاس ایک ڈاکو آیا اور مجھ سے پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے سچ سچ بتا دیا: میرے پاس چالیس دینار ہیں، وہ اُسے مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد ایک اور ڈاکو آیا، اس نے بھی یہی سوال کیا، میں نے اسے بھی سچ سچ بتا دیا، مگر وہ بھی تمسخر سمجھ کر چلا گیا۔

ان دونوں نے جا کر اپنے سردار سے یہ ماجرا بیان کیا، سردار نے انھیں میرے پاس بھیجا اور وہ مجھے سردار کے پاس لے گئے، وہ لوگ ایک ٹیلے پر بیٹھے مال تقسیم کر رہے تھے۔ سردار نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا: چالیس دینار ہیں۔ اس نے پوچھا: کہاں ہیں؟ میں نے کہا: بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ اس نے گدڑی کو اُدھیڑ کر دیکھا تو وہ نکل آئے۔ سردار نے حیران ہوکر پوچھا: تم جانتے ہو، ہم ڈاکو ہیں اور ہمیں جو مال ملتا ہے اسے ہم لوٹ لیتے ہیں؟ پھر تم نے ہم سے اس راز کو چھپا کر کیوں نہ رکھا؟ میں نے جواب دیا: میری والدہ نے روانہ کرتے ہوئے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ میں ہمیشہ سچ بولوں، پھر میں ان چالیس دینار کے لیے کیسے جھوٹ بولتا؟!

یہ سن کر سردار اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا: افسوس! تم نے اپنی ماں کا عہد نہیں توڑا اور میں اتنی مدت سے اپنے اللہ کا عہد توڑ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میرے قدموں پر گر پڑا اور توبہ کی، اس کے ساتھیوں نے یہ کیفیت دیکھ کر اس سے کہا: رہزنی میں تو ہمارا سردار تھا، اب توبہ میں بھی تو ہمارا پیش رو ہے اور ان سب نے میرے سامنے توبہ کر لی اور قافلے کا سارا مال انھیں واپس کر دیا۔ (غنیۃ الطالبین)

تعلیم اور اساتذہ

شیخ کی ابتدائی تعلیم کی تفصیل نہیں ملتی۔ امام ذہبیؒ کے مطابق عالمِ نوجوانی میں وہ بغداد تشریف لائے۔ شیخ کے اساتذہ میں علی سعد مخزومی، ابو غالب باقلانی، احمد بن مظفر بن سوس، ابو القاسم بن بیان، جعفر بن احمد سراج، ابو سعد بن خشیش اور ابو طالب یوسفی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

تلامذہ اور اولاد

شیخ کے معروف تلامذہ میں علامہ سمعانی، عمر بن علی القرشی، حافظ عبدالغنی، شیخ موفق الدین ابن قدامہ، عبدالرزاق بن عبدالقادر، موسیٰ بن عبدالقادر (یہ دونوں صاحب زادے ہیں) شیخ علی بن ادریس، احمد بن مطیع الباجسرائی، ابو ہریرہ، محمد لیث الوسطانی، اکمل بن مسعود ہاشمی، ابو طالب عبداللطیف بن محمد قبیطی رحمہم اللہ، وغیرہ شامل ہیں۔ (اعلام النبلاء)

علامہ ذہبیؒ نے شیخ کے بیٹے کے حوالے سے بیان کیا ہے، میرے والد کی کل اولاد ۴۹ تھی، جن میں

۲۷/ بیٹے اور باقی سب بیٹیاں تھیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

وفات

شیخؒ نے ۹۰/ سال کی عمر تک چہار دانگ عالم کو اپنی ذاتِ والا صفات سے فیض پہنچایا اور ۱۰/ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو آپ نے وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تعلیمات

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ علمائے ربّانیین میں بلند مقام کے حامل ہیں۔ انھوں نے زندگی بھر اپنے قول و عمل سے اللہ کے بندوں کو اللہ کی دعوت دی اور کتاب و سنت کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کی؛ لیکن افسوس آج اُن سے محبت کا دم بھرنے والوں نے بھی ان کی تعلیمات سے انحراف کیا اور محض چند رسمی سی چیزوں کا کر لینا اُن کے نزدیک محبت کی علامت ٹھہرا۔ ایسے میں سخت ضرورت ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ یہاں حضرتؒ کے مواعظ سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو حق کہنے، حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین!

سب کچھ اللہ کے دستِ قدرت میں ہے

ارشاد فرمایا: ''بادشاہ ایک ہی ہے، نقصان پہنچانے والا ایک ہی ہے، نفع پہنچانے والا ایک ہی ہے۔ حرکت دینے والا ایک ہی ہے، سکون دینے والا وہی ایک، مسلط کرنے والا وہی ایک، مسخر بنانے والا وہی ایک، معطی اور مانع وہی ایک اور خالق و روزی رساں وہی ایک، یعنی اللہ عزّ وجلّ۔'' (فیوضِ یزدانی)

خالق کے سامنے تمام مخلوق عاجز ہے

ارشاد فرمایا: ''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں سے کرا دیتا ہے۔ اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے، جس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔'' (فیوضِ یزدانی)

اصل محرومی اور اصل موت

ارشاد فرمایا: ''اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے وہ شخص جو اس کی تو تعمیل نہ کرے جس کا وہ حکم فرماوے اور جس کا اس نے حکم نہیں دیا، اس میں مشغول رہے۔ یہی اصل محرومیت اور اصل موت اور اصل مردودیت ہے۔'' (فیوضِ یزدانی)

رضا بالقضا

ارشاد فرمایا: ’’اے خدا سے غافل! تو غیر کی طلب میں مشغول ہو کر اس کی ذات و رضا بر قضا سے غافل مت ہو۔ بسا اوقات تو اس سے فراخیِ معاش کا طالب ہوتا ہے اور کیا عجب ہے کہ وہ تیرے لیے فتنہ ہو اور تجھے علم نہ ہو، تو نہیں جانتا کہ بہتری کس چیز میں ہے۔ پس خاموش رہ اور جس حال میں بھی وہ رکھے اس میں اس کا موافق (مطیع) بنا رہ اور اس سے ہر حالت میں اس کے افعال پر رضا اور شکر کا طالب ہو۔ وہ رزق کی وسعت جس پر شکر نہ ہو فتنہ ہے اور وہ معاش کی تنگی بھی جس پر صبر نہ ہو فتنہ ہے۔‘‘ (فیوضِ یزدانی)

بندگی آزمائش کے وقت ظاہر ہوتی ہے

ارشاد فرمایا: ’’اے کذاب! تو نعمت کی حالت میں خدا کو محبوب سمجھتا ہے؛ لیکن جب بلا آتی ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے، گویا کہ اللہ عزّ وجلّ تیرا محبوب تھا ہی نہیں، بندہ تو آزمائش کے وقت ہی ظاہر ہوتا ہے۔‘‘ (فیوضِ یزدانی)

آزمائش ضروری ہے

ارشاد فرمایا: ’’آزمائش وامتحان ہونا ضروری ہے، خصوصاً دعویٰ کرنے والوں کا، اگر امتحان وآزمائش نہ ہوتی تو بہتیری مخلوق ولی ہونے کا دعویٰ کرنے لگتی۔‘‘ (فیوضِ یزدانی)

اللہ کی نافرمانی کا انجام

ارشاد فرمایا: ’’نفس جب اللہ کا مطیع ہو جاتا ہے تو اس کا رزق بہ وسعت ہر جگہ سے اس کو پہنچتا ہے، پھر جب نافرمانی کرتا ہے تو رزق کے اسباب منقطع اور اس پر مصیبتیں مسلّط ہو جاتی ہیں، پس وہ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ پاتا ہوا ہلاک ہو جاتا ہے۔ (فیوضِ یزدانی)

نفس کی مخالفت

ارشاد فرمایا: ’’اے نادان! تو چاہتا ہے کہ جس شے کو چاہے بدل دے، کیا تو دوسرا معبود ہے؟ چاہتا ہے کہ اللہ عزّ وجلّ تیری موافقت کرے؟ یہ معاملہ برعکس ہو گیا، اس کا عکس کر کہ راہِ صواب پائے۔ اگر تقدیری احکامات نہ ہوتے تو جھوٹے دعووں کی شناخت نہ ہوتی۔ تجربوں ہی سے جواہرات کھلتے ہیں۔ تیرا نفس جیسا حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونے سے منکر ہے، ایسا ہی تو اپنے نفس کا منکر بن (تاکہ حق تعالیٰ کے حکم پر عمل کر سکے)۔ (فیوضِ یزدانی)

معرفتِ الٰہی کی علامت

ارشاد فرمایا: ’’جو شخص حق تعالیٰ سے واقف ہوجاتا ہے، اس کے قلب سے دنیا اور آخرت اور حق تعالیٰ کے سوا ہر چیز غائب ہوجاتی ہے۔ تجھ پر لازم ہے کہ تیرا وعظ (بات کرنا) خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو، ورنہ گونگا بنا رہنا ہی تیرے لیے بہتر ہے۔ ضروری ہے کہ تیری زندگی حق تعالیٰ کی طاعت میں خرچ ہو، ورنہ تیرے لیے موت بہتر ہے۔ (فیوضِ یزدانی)

اسلام رو رہا ہے

ارشاد فرمایا: ’’صاحبو! (غور کرو) اسلام رو رہا ہے اور ان فاسقوں، بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے ظلم سے جو اُن میں موجود نہیں ہیں، اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے۔ اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کر کہ امر و نہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے اور دفعتاً انتقال پا کر ایسے ہوگئے گویا ہوئے بھی نہ تھے۔ تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتا بھی شکار کرنے اور کھیتی، مویشی کی نگہبانی و مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کیا کرتا ہے اور اسے دیکھ کر خوشی کے مارے کھلاڑیاں کرتا ہے؛ حالاں کہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذرا سی مقدار کھانا دیا کرتا ہے اور تو ہر وقت اللہ کی قِسم قِسم کی نعمتیں شکم سیر ہوکر کھاتا رہتا ہے؛ مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے، نہ تو اسی کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے؛ بلکہ اس کے برعکس اس کا حکم رد کرتا ہے اور اس کی حدودِ شریعت کی حفاظت نہیں کرتا۔ (فیوضِ یزدانی)

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

اُردو رسم الخط کی حفاظت کریں

ڈاکٹر مولانا فہد انوار (اسلام آباد)

کسی بھی زبان کی بقا اور الگ تشخص میں رسم الخط کا کردار بہت اہم ہے۔ ایک زبان کا رسم الخط اسے دوسری زبانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ رسم الخط زبان بولنے والے اولین لوگوں کے دلی رجحانات کا بھی عکاس ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے معلوم ہوجاتا ہے کہ زبان بولنے والے لوگ کس تہذیب اور فکر سے وابستگی رکھتے ہیں۔

اُردو زبان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ برصغیر ہندو پاک میں بیرون سے آنے والے مختلف افراد کے اختلاط کے نتیجے میں الگ زبان کے طور پر وجود میں آئی ہے۔ اس میں علاقائی زبانوں کے ساتھ فارسی کا رنگ بہت گہرا ہے، کیونکہ فارسی آج سے تقریباً دو سو برس پہلے تک سرکاری زبان تھی اور یہ ایک واضح بات ہے کہ جس بھی زبان کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو، اس کا اثر عوام تک نہ چاہتے ہوئے بھی پہنچتا ہے۔ پھر علماء کا اپنے اپنے حلقے پر اثر تھا، علماء فارسی میں تحریر وتصنیف بھی کرتے تھے، فارسی کتب زیرِ درس رہتی تھیں، لہٰذا ایک نئی تشکیل پانے والی زبان جس کا نام بعد میں اردو پڑنا تھا، اس میں فارسی الفاظ کی بکثرت شمولیت ناگزیر تھی۔ اس کے علاوہ ترکی زبان کا بھی اردو پر اثر پڑا، کیونکہ ترکی سے بھی افراد ہندوستان آئے اور بااثر مناصب پر فائز ہوئے۔ مزید برآں سلطنتِ عثمانیہ سے مسلمانانِ ہند کا دینی رشتہ بھی تھا۔ حرمین شریفین کی خدمت کا شرف عثمانی سلاطین کو حاصل تھا اور ترکیوں کو اپنے مختلف محاذوں پر مسلمانانِ ہند کی نظریاتی اور مالی مدد بھی فراہم ہوتی تھی۔ ان سب عوامل کے زیرِ اثر اردو پر ترکی زبان کا بھی اثر پڑا، حتیٰ کہ اردو کا نام ہی ترکی زبان سے لیا گیا۔

اردو پر عربی زبان کا بھی گہرا اثر پڑا ہے، عربی مسلمانانِ برصغیر کی دینی زبان ہے، مسلمانوں کے تمام مصادرِ شریعت عربی میں ہیں، لہٰذا بہت سی دینی اصطلاحات جیسے: دعا، تلاوت وغیرہ اردو میں بکثرت

شامل ہیں۔ عربی کے بہت سے الفاظ بالکل اسی طرح یا کچھ ترمیم کے ساتھ اردو زبان کا بھی حصہ بن چکے ہیں، مثلاً: محبت، عداوت، قلم، کتاب، وغیرہ۔ فارسی عربی اور ترکی کے ساتھ اردو پر سنسکرت زبان کا بھی اثر ہے اور اب ہمارے عہد میں انگریزی کے الفاظ بھی اردو میں بکثرت شامل ہو چکے ہیں۔ انٹرنیٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی اور پھیلاؤ کے ساتھ اردو میں انگریزی الفاظ کی شمولیت کی مقدار زیادہ ہوگئی ہے۔

بہرحال زبانوں میں دیگر الفاظ کی شمولیت غیر معمولی بات نہیں، لیکن اس کے ساتھ زبان کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ایک الگ تشخص برقرار رکھا جائے۔ اردو زبان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ مملکتِ خداداد پاکستان کی سرکاری زبان ہے اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی اردو ہی بولتی اور سمجھتی ہے۔ اس کے علاوہ متحدہ عرب امارات، یورپ، جنوبی افریقہ وغیرہ میں بھی اُردو دان طبقہ بڑی تعداد میں موجود ہے۔ چونکہ مسلمانانِ عالم کی ایک بڑی تعداد اردو سے وابستہ ہے، اس لیے ان کی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے چھوٹی بڑی بے شمار دینی تالیفات اردو میں موجود ہیں۔ بے شمار عربی اور فارسی کتب کے اردو تراجم ہو چکے ہیں، بلکہ عربی زبان کے بعد (جو کتاب وسنت کی زبان ہے) ''اردو اَب غالباً دینی ذخیرے کو شامل سب سے بڑی زبان ہے اور اس معاملے میں اُردو بعض اعتبار سے فارسی پر فوقیت رکھتی ہے۔

اس لیے اردو زبان کی حفاظت جہاں اس لیے ضروری ہے کہ یہ مسلمانانِ ہند و پاک کی پہچان ہے، وہاں اس سے بڑھ کر اس لیے ضروری ہے کہ اردو کی حفاظت سے ہمارے دینی سرمائے کی بھی حفاظت ہے۔ تقریباً دو صدیوں کی محنت سے جو بلند پایہ دینی علوم کا سرمایہ اردو کے ذریعے سامنے آیا ہے، اسے اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے اردو ہی میں مزید تسہیل (آسان کرنے کی) اور تشریح کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے ایک صدی پیشتر نباضِ امت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ، جلد: ۴ میں اردو زبان کی حفاظت کو ایک دینی ذمہ داری کے طور پر شرعاً مطلوب قرار دیا ہے۔

اردو زبان کے بولنے والوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے اردو کو عربی رسم الخط کا جامۂ خوش زیبا پہنایا۔ اس رسم الخط کے ذریعے اردو والوں کے لیے اسلامی مصادر قرآنِ کریم، کتبِ احادیث اور دیگر دینی کتب کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کی دو بڑی زبانوں عربی اور فارسی تک رسائی بھی آسان ہوجاتی ہے، یہ اسی رسم الخط کا فیض ہے کہ اردو بولنے والا بچہ چند دنوں کی محنت سے قرآنی قاعدہ روانی سے پڑھ لیتا ہے۔ اس طرح عربی الفاظ کو دیکھنے سے اسے وہ اجنبیت نہیں ہوتی جو چینی یا روسی زبانوں کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔

موبائل فون کے استعمال کی کثرت کے ساتھ اردو رسم الخط بھی متاثر ہو رہا ہے۔ پیغامات لکھنے کے

لیے سہل پسند طبیعتوں کے حامل افراد بجائے اردو رسم الخط اپنانے کے رومن رسم الخط میں ہی لکھ دیتے ہیں۔ یہ رجحان بڑھنے کے ساتھ اس بات کا اندیشہ ہو گیا ہے کہ کہیں اردو کا رسم الخط ہی نہ بدل جائے۔ یہ اندیشہ محض اندیشہ نہیں، بلکہ بعض ملکوں میں واقعتاً ایسا بھی ہوا ہے کہ زبانوں کا رسم الخط بدل گیا ہے، مثلاً ترکی جس کی عثمانی خلافت صدیوں تک اُمت مسلمہ کی شوکت وسطوت کا مظہر رہی ہے، وہاں اس قسم کی صورتِ حال پیش آچکی ہے۔ مصطفیٰ کمال نے خلافت کے خاتمے کے بعد ۱۹۲۸ء میں ترکی زبان کا رسم الخط عربی کی جگہ لاطینی کر دیا، جس سے بعد میں آنے والی نسل کو زبان کے ساتھ ساتھ عربی رسم الخط سیکھنے کی اضافی مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ عثمانی ترکی زبان میں عربی کے کئی الفاظ شامل تھے، مصطفیٰ کمال کی جدید ترکی زبان کے لیے ان الفاظ کو بھی نکال دیا گیا۔ اسی طرح تاجکستان کی زبان فارسی تھی، روسی اقتدار کے بعد اس زبان کا رسم الخط روسی کر دیا گیا، اب تاجک زبان جو درحقیقت فارسی زبان ہے، روسی رسم الخط میں لکھی ہونے کی وجہ سے ایک الگ زبان معلوم ہوتی ہے۔ تاجکستان وسط ایشیا کے اس زرخیز خطے میں شامل ہے، جہاں سے صدیوں علومِ اسلامیہ کی مختلف جہتوں میں بیش بہا خدمت کی گئی ہے۔ وہ کتابیں عربی رسم الخط میں عربی اور فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ رسم الخط کی تبدیلی کی وجہ سے ان میں لکھی ہوئی عربی وفارسی عبارت پڑھنے کے لیے پہلے عربی حروف سے شناسائی حاصل کرنی پڑتی ہے (یہ بات انتہائی خوش آئند ہے کہ اب تاجکستان میں عربی فارسی رسم الخط کے احیاء کے لیے کام ہو رہا ہے)۔

بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اردو سے وابستہ ہے۔ تاہم بھارت میں اردو کا دائرۂ کار صرف مسلم آبادی تک ہی محدود نہیں، بلکہ ہندو اور سکھ آبادی میں بھی اردو کے چاہنے والوں کی ایک تعداد موجود ہے اور ان میں بعض نامی گرامی شعراء اور ادیب ہیں۔ موجودہ دور کی ہندی زبان اور اردو میں کئی الفاظ مشترک ہیں۔ اس طرح اردو زبان پاکستان اور بھارت کے درمیان فکر ونظر کی آگاہی کا انتہائی اہم ذریعہ ہے۔ غیر منقسم ہند میں دہلی کے نظام الدین مرکز سے دعوت وتبلیغ کی جس محنت کا آغاز ہوا، اس کے ذریعے دنیا بھر میں دینی شعور کے ساتھ اردو زبان کو بھی فروغ ملا اور اردو لسانِ دعوت بن کر اُبھری۔ تاہم بھارت میں اردو کو دیوناگری سنسکرت رسم الخط میں لکھنے کا رواج بھی عام ہے، ہندی وہاں کی سرکاری زبان ہے جو سنسکرت رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، اس میں اردو کے کثیر الفاظ بھی شامل ہیں، تاہم اس کا الگ رسم الخط اس کی بڑی شناخت ہے۔ حکومتی سرپرستی کے زیرِ اثر اردو بولنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد وہاں اردو کو دیوناگری رسم الخط میں لکھ دیتی ہے۔ اردو کے ایک معروف بھارتی دانشور کے بقول کتاب اگر اردو رسم الخط میں گیارہ (۱۱۰۰) کی تعداد میں ہو تو بھی مشکل سے نکلتی ہے، جبکہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی

جانے والی کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں ہوتو بھی آسانی سے بک جاتی ہے، حتیٰ کہ لوگ ولیمے کا دعوت نامہ دیتے ہیں تو وہ بھی دیوناگری خط میں لکھا ہوتا ہے۔

خود ہمارے ہاں بھی آہستہ آہستہ سائن بورڈ وغیرہ پر رومن رسم الخط لکھا جانے لگا ہے، جس کا رجحان ابھی تک تو کم ہے، لیکن بہرحال خطرے کی گھنٹی ضرور ہے، موبائل فون پر عجب بے ڈھنگم انداز میں رومن اردو (انگریزی حروف) میں لکھنے کا رواج چل پڑا ہے۔ حال پوچھنے کے لیے kia hal hay? (کیا حال ہے؟) وغیرہ لکھا جاتا ہے، إنا لله وإنا إليه راجعون جیسے قرآنی الفاظ کو بھی رومن میں لکھا جاتا ہے۔ اہلِ علم نے قرآن کریم کو عثمانی رسم الخط کے علاوہ دوسرے رسم الخط میں لکھنے سے منع کیا ہے، قرآن کریم کی حفاظت کے ساتھ اس کے رسم الخط کی حفاظت کا بھی اہتمام ضروری ہے۔

عموماً جب لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ اردو کو درست رسم الخط میں لکھیں تو ان کا عذر ہوتا ہے کہ ہمارے لیے اس میں ٹائپ کرنا مشکل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشکل اس کی مشق نہ کرنے کی وجہ سے ہے، عموماً سمارٹ فون کی میموری میں اردو کی بورڈ بھی ہوتا ہے، ورنہ انٹرنیٹ سے باآسانی ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔ اس کو چند بار استعمال کرنے سے اردو کے صحیح رسم الخط میں ٹائپ کرنا آسان ہوجائے گا۔ دوسری بات جب ہمیں مسئلے کی حساسیت کا علم ہوگا تو ہم اپنی دینی اور ملی ذمہ داری سمجھ کر زبان کی حفاظت کی نیت سے اردو رسم الخط میں لکھیں گے، اردو رسم الخط کی حفاظت وفروغ کے حوالے سے عوام الناس اور اربابِ اقتدار کی خدمت میں چند نکات پیش خدمت ہیں، جو اس مقصد میں ان شاء اللہ! مددگار رہوں گے:

❶- پہلی بات یہ کہ ہر شخص اردو کے صحیح رسم الخط کی حفاظت اپنی اہم قومی ثقافتی اور دینی ذمہ داری سمجھے۔

❷- دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے اور سمجھانے کی کوشش کرے۔

❸- اپنے موبائل فون اور کمپیوٹر پر اردو کی بورڈ انسٹال کرلے اور اس کا بکثرت استعمال بھی کرلے۔

❹- جن حضرات کا ذریعۂ معاش کمپوزنگ سے وابستہ ہے، وہ ایسے اشتہار و اعلانات بنانے سے گریز کریں، جن میں اردو رومن رسم الخط میں لکھی جائے۔

❺- اربابِ اقتدار کی طرف سے اردو زبان اور رسم الخط کے فروغ کی ترغیب اور حوصلہ افزائی ہو، مثلاً اردو خطاطی چاہے قلم سے ہو یا کمپیوٹر پر اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ نیز موبائل پر لکھے جانے والے پیغامات اردو رسم الخط میں لکھنے پر کوئی خصوصی پیشکش یا رعایت ہو۔

رسم الخط کی حفاظت زبان کی الگ شناخت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ زندہ قومیں اپنی زبان کے رسم الخط کی حفاظت کرتی ہیں اور جس زبان کے رسم الخط کا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ کی زندہ و جاوید زبان سے ہو، اس کی حفاظت اہم کیوں نہ ہوگی؟

تاریخی روایات میں نقدِ اسناد کا معیار

ایک تجزیہ

مولانا عصمت اللہ نظامانی
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

اصل موضوع شروع کرنے سے قبل بطورِ تمہید چند باتیں ملحوظ رہیں:

❶ - اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیثی یا تاریخی روایات وغیرہ کی صحت وضعف معلوم کرنے اور انہیں پرکھنے کے لیے ''سند'' کو بہت اہمیت حاصل ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا قول ہے: ''الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ما شاء''(۱) یعنی ''اسناد دین میں سے ہے، اگر سند نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص جو چاہتا دینی باتیں بنا کر کہہ دیتا۔'' لہٰذا جس طرح کسی حدیث کا حکم معلوم کرنے کے لیے سند کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور محدثین کے بیان کردہ اصول وضوابط کے مطابق اس کے روات کو پرکھا جاتا ہے، اسی طرح تاریخی روایت کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں بھی سند کو مدِنظر رکھا جائے گا۔

❷ - حضرات محدثین رحمہم اللہ احادیث جمع کرتے وقت اِسناد سے قطع نظر نہیں کرتے تھے، چنانچہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے اعلیٰ اور عمدہ سند ذکر کریں، جبکہ مؤرخین کے مدّنظر عام طور پر تاریخی روایات کو جمع کرنا تھا، خواہ سند یا متن کے اعتبار سے وہ کمزور ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ علامہ طبریؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے:

> ''فما يكن في كتابي هٰذا من خبر ذكرناه عن بعض الماضين مما يستنكره قارئه أو يستشنعه سامعه من أجل أنه لم يعرف له وجهًا في الصحة ولا معنى في الحقيقة، فليعلم أنه لم يؤت في ذلك من قبلنا وإنما أتي من قبل بعض ناقليه إلينا، وأنا إنما أدّينا ذلك على نحو ما أدي إلينا.''(۲)

یعنی ''جو خبر ہم نے اس کتاب میں گزشتہ لوگوں کے بارے میں لکھی ہے، جسے پڑھنے والا عجیب جانے، یا سننے والا ناپسند کرے؛ کیونکہ اس کو اس خبر کا صحیح مفہوم یا حقیقی معنی معلوم نہ ہوسکا تو واضح رہے کہ اس میں کوئی بات اپنی جانب سے نہیں لائی گئی، بلکہ یہ نقل کرنے والوں میں سے

کسی کی طرف سے آئی ہے، ہم نے اس خبر کو اسی طرح پہنچایا ہے جس طرح اس نے ہم تک پہنچائی۔''

معلوم ہوا کہ احادیث مبارکہ کی طرح تاریخی روایات جمع کرتے وقت ان کی اِسنادی حیثیت پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ تاریخی روایات پر عمل کرنے کے لیے اسناد اور رواۃ سے اسی طرح بحث کی جائے گی جس طرح احادیث کے سلسلے میں بحث کی جاتی ہے، اور تاریخی روایات پرکھنے کے لیے بھی علم جرح وتعدیل پر عمل کیا جائے گا تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، جیسا کہ مشہور محقق علامہ معلمی یمانیؒ فرماتے ہیں:

''على أن حاجة التاريخ إلى معرفة أحوال ناقلي الوقائع التاريخية أشدّ من حاجة الحديث إلى ذٰلك، فإن الكذب والتساهل في التاريخ أكثر.''(۳)

یعنی ''تاریخی واقعات نقل کرنے والوں کے احوال جاننے کی طرف تاریخ کی ضرورت اور حاجت زیادہ ہے بنسبت حدیث کے؛ کیونکہ جھوٹ اور تساہل تاریخ میں زیادہ ہے۔''

مذکورہ تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ تاریخی روایات جانچنے کے سلسلے میں علم جرح وتعدیل کی اہمیت مسلّم وقابلِ قبول ہونے کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی تاریخی واقعہ کی صحت پرکھنے کے لیے علم جرح وتعدیل کے وہی اصول جاری نہیں کیے جائیں گے، جن سے کسی حدیث کی صحت اور ضعف کو پرکھا جاتا ہے، بلکہ دیکھا جائے گا کہ وہ تاریخی روایت کس قسم کی ہے، اگر وہ عقائد، احکامِ شرعیہ یا کسی معزز شخص پر طعن وتنقید وغیرہ پر مشتمل نہ ہو تو اس صورت میں ایسی تاریخی روایات پرکھنے میں زیادہ شدت اور سختی نہیں کی جائے گی، جس کی وجوہات اور دلائل حسبِ ذیل ہیں:

اولاً: بخاری شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے:

''وحدّثوا عن بني إسرائيل ولا حرج.'' (۴)

ترجمہ: ''بنی اسرائیل سے روایت بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اجازت دی ہے کہ بنی اسرائیل سے روایات بیان کی جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ روایت ان افراد کو شامل ہے جو اہلِ کتاب ہیں اور مشرف بہ اسلام نہیں ہیں، تو معلوم ہوا کہ واقعات اور تاریخی باتیں وغیرہ بیان کرنے والا مسلمان نہ ہو، تب بھی اس کی باتیں دوسروں کو بیان کی جاسکتی ہیں، برخلاف احادیث کے، کیونکہ احادیث قبول کرنے کے سلسلے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی مسلمان ہو۔ نیز اہلِ کتاب وغیرہ سے ایسی باتیں اور روایتیں ہی لے سکتے ہیں جن کا تعلق عقائد واحکام وغیرہ سے نہ ہو، چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صنعانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''(وحدّثوا عن بني إسرائيل) أي أرووا عنهم ما وقع لهم من الأعاجيب

وإن استحال مثلها في هٰذه الأمة كنزول النار من السماء لأكل القربان ولو كان بغير سند، لبعد الزمان، بخلاف الأحاديث المحمدية.'' (۵)

یعنی ''ان سے ایسی عجیب باتیں روایت کرو جوان کو پیش آئی تھی، اگر چہ اس امت میں اس جیسے واقعات بظاہر محال ہوں، مثلاً: قربانی کھانے کے لیے آسمان سے آگ کا اُترنا، طویل زمانہ گزرنے کی وجہ سے اگر چہ بغیر سند کے ہی کیوں نہ ہو، برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے۔''

اور علامہ مناویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''(حدّثوا عن بني إسرائيل) أي بلّغوا عنهم القصص والمواعظ ونحو ذٰلك (ولا حرج) عليكم في التحديث عنهم ولو بلا سند.'' (۶)

یعنی ''بنی اسرائیل سے قصے اور وعظ ونصیحت سے متعلق باتیں بیان کرو، اور ان سے روایات بیان کرنے کے سلسلے میں تم پر کوئی حرج نہیں، اگر چہ بغیر سند کے ہو۔''

اس حدیث پر اعتراض ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایات لینا اور انہیں آگے بیان کرنا درست ہے، جبکہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایت لینا یا ان کی دینی کتابیں پڑھنا ممنوع ہے، تو اس کے جواب میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں باتوں کے درمیاں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ:

''أراد هنا التحديث بقصصهم نحو قتل أنفسهم لتوبتهم وبالنهي العمل بالأحكام.''(۷)

یعنی ''اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قصے وغیرہ بیان کرنا، جیسے توبہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کو قتل کرنا، اور ممانعت سے مراد یہ ہے کہ ان کے احکام پر عمل کرنا۔''

اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''أشار إلى أن المراد التحدّث بالقصص والمواعظ والحكم والأمثال دون الشرائع والأحكام لنسخها ووقوع التحريف فيها.''(۸)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قصے، وعظ ونصیحت اور حکمت وغیرہ سے متعلق باتیں بیان کی جائیں، نہ کہ شرعی احکام سے متعلق روایات، کیونکہ وہ منسوخ ہیں، اور ان میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ تاریخی روایات پرکھنے کے سلسلے میں علم جرح وتعدیل پر اس طرح عمل نہیں کیا جائے گا، جس طرح احادیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے ان کی اسناد و رُوات

کو پرکھا جاتا ہے، بلکہ جو تاریخی روایت کسی عقیدہ یا شرعی حکم وغیرہ سے متعلق نہ ہو، اس میں نقدِ سند کے سلسلے میں زیادہ شدت نہیں کی جائے گی۔

ثانیاً: حضرات محدثین رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ احادیث کا درجہ معلوم کرنے کے سلسلے میں بھی علمِ جرح وتعدیل کے اصول کا یکساں طور پر لحاظ نہیں رکھا جائے گا، بلکہ جو احادیث عقائد وفقہی احکام وغیرہ سے متعلق ہوں، ان میں دقتِ نظر اور سختی سے ان اصول کی رعایت کی جائے گی، اور جن احادیث کا تعلق فضائل ومناقب وغیرہ سے ہو، ان میں تساہل کا معاملہ ہوگا، جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

’’إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشدّدنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكمًا ولا يرفعهٗ تساهلنا في الأسانيد.‘‘(۹)

ترجمہ: ’’جب ہم نبی کریم ﷺ سے منسوب روایت بیان کرتے ہیں جو حلال وحرام یا سُنن واحکامِ شرعیہ سے متعلق ہوتو ہم اسناد میں سختی کرتے ہیں، اور جب ہم نبی کریم ﷺ سے منسوب ایسی روایت بیان کرتے ہیں جو فضائلِ اعمال سے متعلق ہے، اور کسی حکم کو منسوخ وغیرہ نہیں کرتی تو ہم نقدِ اسناد میں چشم پوشی کرتے ہیں۔‘‘

اور مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے ہیں:

’’إذا روينا في الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا في الأسانيد والرجال، وإذا روينا في الحلال والحرام والأحكام تشدّدنا في الرجال.‘‘(۱۰)

یعنی ’’جب ہم ثواب وعقاب اور فضائلِ اعمال کے بارے میں حدیث روایت کرتے تو اسناد اور رواۃ پرکھنے میں تساہل سے کام لیتے، اور جب حلال وحرام اور احکامِ شرعیہ سے متعلق حدیث روایت کرتے، نقدِ رُواۃ میں سختی سے کام لیتے۔‘‘

لہٰذا جب فضائل وغیرہ سے متعلق احادیث کے سلسلے میں اصولِ جرح وتعدیل پر سختی سے عمل نہیں کیا جاتا، اور ایسی روایات پرکھنے اور قبول کرنے کے سلسلے میں حضرات محدثین تساہل ونرمی کا کہہ رہے ہیں تو ایسی تاریخی روایات جو عقائد وفقہی احکام وغیرہ سے متعلق نہیں، ان میں بطریقِ اولیٰ تساہل سے کام لیا جائے گا، اور نقدِ اسناد میں زیادہ سختی نہیں کی جائے گی۔

ثالثاً: حضرات محدثین رحمہم اللہ نے متعدد راویوں کے بارے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کی بیان کردہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہوگی، البتہ ان کی ذکر کردہ تاریخی روایات معتبر ہوں، یعنی روایتِ حدیث میں تو جرح کرکے ان کو ساقط الاعتبار کہا جاتا ہے، لیکن روایتِ تاریخ میں انہیں معتبر وقابلِ احتجاج قرار دیتے

ہیں، چنانچہ حدیث وتاریخ کے ایک راوی سیف بن عمر تمیمی کے بارے میں علامہ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

''سیف ابن عمر التمیمي . . . ضعیف [في] الحدیث، عمدة في التاریخ.'' (۱۱)

یعنی ''سیف بن عمر تمیمی حدیث میں ضعیف ہے، اور تاریخ میں قابلِ اعتماد ہے۔''

اسی طرح تاریخ کے مشہور راوی ''واقدی'' کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''وقد تقرّر أن الواقدي ضعیف، یحتاج إلیه في الغزوات والتاریخ، . . . أما في الفرائض، فلا ینبغي أن یذکر.''(۱۲)

ترجمہ: ''یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ واقدی ضعیف ہے، غزوات اور تاریخ میں وہ قابلِ احتجاج ہوگا...... فرائض واحکام کی احادیث میں اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایک راوی حدیث بیان کرنے کے اعتبار سے ضعیف ہوگا، لیکن تاریخی روایات میں معتبر وقوی ہوگا، تو واضح ہوا کہ تاریخی روایات پرکھنے کے لیے ان کے راویوں پر بعینہٖ وہی اصول وضوابط جاری نہیں ہوں گے، جو احادیث کی صحت وضعف جاننے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

رابعاً: اہلِ علم کی ایک جماعت نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ تاریخی روایات پر نقد کرنے اور ان کی اسنادی حیثیت وغیرہ جانچنے کے سلسلے میں نرمی اور کچھ تساہل سے کام لیا جائے گا، زیادہ شدت اختیار نہیں کی جائے گی، جبکہ ایسی تاریخی روایات سے کوئی عقیدہ یا فقہی حکم بھی ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ علامہ کافیجیؒ (ت:۸۷۹) فرماتے ہیں:

''فإن قلت: فهل یجوز لهٗ أن یروي في تاریخه قولاً ضعیفاً؟ قلت: نعم، یجوز لهٗ ذٰلك في باب الترغیب والترهیب والاعتبار مع التنبیه علی ضعفه، لکن لا یجوز ذٰلك في ذات الباریٔ عزّ وجل وفي صفاته، ولا في الأحکام.''(۱۳)

ترجمہ: ''اگر تم دریافت کرو کہ کیا تاریخ میں ضعیف قول روایت کرنا جائز ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ ہاں! ترغیب وترہیب یعنی اچھی باتوں کی طرف راغب کرنے اور برے امور سے ڈرانے وغیرہ سے متعلق جائز ہے، اس کے ضعف پر تنبیہ کرنے کے ساتھ، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یعنی عقائد اور احکام میں جائز نہیں۔''

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ذکر کردہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو تاریخی روایات کسی عقیدہ یا شرعی حکم یا مسلماتِ دین وغیرہ سے متعلق نہ ہوں، انہیں جانچنے اور پرکھنے کے لیے علم جرح وتعدیل پر اس طرح عمل نہیں کیا جائے گا، جس طرح احادیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے لیے ان کی اسناد ورُواۃ کو پرکھا جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسی تاریخی روایات کے سلسلے میں بھی انہی اصولِ جرح وتعدیل کی رعایت رکھی جائے گی تو

تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ نا قابلِ اعتبار ہوگا، چنانچہ معروف مؤلف اکرم ضیاء عمری رقم طراز ہیں:

''أما اشتراط الصحة الحديثية في قبول الأخبار التاريخية التي لا تمسّ العقيدة والشريعة ففيه تعسّف كثير، والخطر الناجم عنه كبير؛ لأن الروايات التاريخية التي دوّنها أسلافنا المؤرخون لم تعامل معاملة الأحاديث، بل تمّ التساهل فيها، وإذا رفضنا منهجهم، فإن الحلقات الفارغة في تاريخنا ستشكل هوّة سحيقة بيننا و بين ماضينا مما يولد الحيرة والضياع والتمزّق والانقطاع.''(۱۴)

یعنی ''جو تاریخی روایات عقائد وشرعی احکام سے متعلق نہیں، انہیں قبول کرنے کے سلسلے میں احادیث کی صحت والی شرط لگانے میں بہت تکلف ہے، اوراس سے پیدا ہونے والا خطرہ بہت بڑا ہے؛ کیونکہ ہمارے اسلاف نے جن تاریخی روایات کی تدوین کی ہے، ان میں احادیث کا سا معاملہ نہیں کیا، بلکہ اس میں تساہل اور نرمی برتی ہے، تو اگر ہم ان کے اسلوب ومنہج کو چھوڑ دیں گے تو ہماری تاریخ میں خالی حلقے اور جگہیں پیدا ہوں گی، جو ہم اور ہمارے ماضی میں ایسی صورت پیدا کریں گی، جس سے تاریخ میں حیرت، ضیاع اور انقطاع پیدا ہوگا۔''

حوالہ جات

۱- صحيح مسلم، مقدمة (۱۵/ ۱)، دار إحياء التراث العربي- بيروت

۲- تاريخ الملوك والأمم للطبري، (۱۳/ ۱)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: ۱٤۰۷ھ

۳- علم الرجال وأهميته للمعلمي، (ص:۹۱)، الناشر: دار الراية- الرياض، ط: ۱٤۱۷ھ

٤- صحيح البخاري، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، رقم: ۳٤٦۱، (۱۷۰/ ٤)، الناشر: دار طوق النجاة، ط:۱٤۲۲ھ

٥- التنوير شرح الجامع الصغير للأمير الصنعاني(٥٦۰/ ٤)، الناشر: مكتبة دار السلام- الرياض، ط: ۱٤۳۲ھ- ۲۰۱۱م

٦- التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوي، (٤۹٥/ ۱)، الناشر: مكتبة الإمام الشافعي- الرياض، ط:۱٤۰۸ھ- ۱۹۸۸م

۷- فيض القدير للمناوي، (۲۷۰/ ۳)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت

۸- لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح للدهلوي، (٥۲۰/ ۱)، الناشر: دار النوادر- دمشق، ط: ۱٤۳٥ھ- ۲۰۱٤م

۹- الكفاية في علم الرواية للخطيب البغدادي، باب التشدد في أحاديث الأحكام، (ص: ۱۳٤)، الناشر: المكتبة العلمية- المدينة المنورة

۱۰- الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب، بحث: تجنب الرواية عن الضعفاء، (۹۲/ ۲)، الناشر: مكتبة المعارف- الرياض

۱۱- تقريب التهذيب لابن حجر، (ص: ۲٦۲)، رقم: ۲۷۲٤، الناشر: دار الرشيد- سوريا، ط: ۱٤۰٦ھ- ۱۹۸٦م

۱۲- سير أعلام النبلاء للذهبي، (٤٦۹/ ۹)، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: ۱٤۰٥ھ- ۱۹۸٥م

۱۳- المختصر في علم التاريخ للكافيجي، (ص: ۷۱)، الناشر: عالم الكتب- بيروت، ط:۱٤۱۰ھ- ۱۹۹۰م

۱٤- دراسات تاريخية لأكرم ضياء العمري، (ص:۲۷)، الناشر: إحياء التراث العلمي-المدينة المنورة، ط:۱٤۰۳ھ- ۱۹۸۳م

نمازِ تہجد

تشکر وعبودِیت کا مظہر

مولانا محمد طارق نعمان (مانسہرہ)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نمازِ تہجد کے لیے حاضری دینا یہ ایک ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے انسان دنیا میں بڑے بڑے مرتبے حاصل کرلیتا ہے۔ رات کی تنہائی میں بندہ راحت اور آرام کو چھوڑ کر سردی اور گرمی کی شدت برداشت کر کے وضو کر کے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ اپنے بندوں کو اپنے قرب ولطف سے مالا مال فرمادیتا ہے۔ فرائض کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نمازِ تہجد ہے۔

نمازِ تہجد کی فضیلت قرآنِ مجید کی روشنی میں

قرآن پاک میں کئی مقامات پر اس نماز کی اہمیت وفضلیت بیان ہوئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❶- ترجمہ: ’’اور (رحمان کے بندے وہ ہیں) جو راتیں اِس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدے میں ہوتے ہیں اور (کبھی) قیام میں۔‘‘ (سورۃ الفرقان: ۶۴)

❷- ’’بھلا (کیا ایسا شخص اس کے برابر ہوسکتا ہے) جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں، کبھی قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار سے رحمت کا امیدوار ہے؟ کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، سب برابر ہیں؟۔‘‘ (سورۃ الزمر: ۹)

❸- ’’اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دِن کے کناروں میں بھی، تاکہ تم خوش ہوجاؤ۔‘‘ (سورۂ طہٰ: ۱۳۰)

❹- ’’بے شک رات کے وقت اٹھنا ہی ایسا عمل ہے جو جس سے نفس اچھی طرح کچلا جاتا ہے اور

بات بھی بہتر طریقے پر کہی جاتی ہے۔‘‘ (سورۃ المزمل:۶)

❺ -’’اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔‘‘ (سورۃ المزمل:۲۰)

❻ -’’اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھا کرو، جو تمہارے لیے ایک اضافی عبادت ہے، اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقامِ محمود تک پہنچائے گا۔‘‘ (بنی اسرائیل:۷۹)

نمازِ تہجد کی فضیلت احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کے فرامینِ مبارکہ میں بھی تہجد کی نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل اور مختلف قسم کی ترغیبات وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

① -’’جب حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کی طرف دوڑنے لگے اور کہنے لگے کہ حضور ﷺ تشریف لائے ہیں، میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا، تاکہ دیکھوں (کہ واقعی آپ ﷺ نبی ہیں یا نہیں؟) میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھ کر کہا کہ: یہ چہرہ جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا۔ وہاں پہنچ کر جو سب سے پہلا ارشاد حضور ﷺ کی زبان سے سنا، وہ یہ تھا کہ لوگو! آپس میں سلام کا رواج ڈالو اور (غرباء کو) کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات کے وقت جب سب لوگ سوتے ہوں (تہجد کی) نماز پڑھا کرو، تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔‘‘ (قیام اللیل)

② -حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا روزہ اللہ کے مہینے محرم کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز رات (تہجد) کی نماز ہے۔‘‘ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم)

③ -حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب رات کے وقت آدمی اپنی بیوی کو جگائے اور دونوں دو رکعتیں پڑھیں یا ایک دو رکعت پڑھے تو وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں میں سے لکھ دیئے جاتے ہیں۔‘‘ (سنن ابوداؤد، کتاب التطوع، باب قیام اللیل، وصححہ الالبانی فی صحیح سنن ابی داؤد:۱۳۰۹)

④ -حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے ہر ایک کی گدی پر جب وہ سوتا ہے تو شیطان تین گرہیں لگا دیتا ہے، ہر گرہ پر یہ کہتا ہے کہ تیرے لیے رات بہت لمبی ہے، پس خوب سو۔ اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ وضو بھی کر لیتا ہے تو ایک اور گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ نماز بھی پڑھ لیتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ صبح اس حال میں

کرتا ہے کہ وہ ہشاش بشاش اور پاکیزہ نفس ہوتا ہے، ورنہ اس کی صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ وہ خبیث النفس اور سست ہوتا ہے۔'' (صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب عقد الشيطان على قافية الرأس إذا لم يصل بالليل، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها)

⑤- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں (جو آبگینوں کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) ان کے اندر کی سب چیزیں باہر سے نظر آتی ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اچھی طرح سے بات کریں، اور (غرباء) کو کھانا کھلائیں اور ہمیشہ روزے رکھیں اور ایسے وقت میں رات کو تہجد پڑھیں، جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔'' (ترمذی، ابن ابی شیبہ)

⑥- حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم رات کے جاگنے کو لازم پکڑو، کیوں کہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے اور حسد سے دور کرنے والی چیز ہے۔'' (قیام اللیل)

⑦- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''تین قسم کے آدمیوں سے حق تعالیٰ شانہ بہت خوش ہوتے ہیں: ایک اس آدمی سے جو رات کو (تہجد کی نماز کے لیے) کھڑا ہو، دوسرے اس قوم سے جو نماز میں صف بندی کرے، اور تیسرے اس قوم سے جو جہاد میں صف بنائے (تاکہ کفار سے مقابلہ کرے)۔'' (قیام اللیل)

⑧- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، جبکہ رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، تو وہ فرماتا ہے: کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا، تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے مجھ سے استغفار کرنے والا، تاکہ میں اس کی مغفرت کروں، (یہ وقت نمازِ تہجد کا ہی ہوتا ہے جس وقت باری تعالیٰ یہ صدا لگاتا ہے)۔

نمازِ تہجد کی نیت کا طریقہ

نمازِ تہجد کی ہو یا کوئی بھی، اس کی نیت کے لیے زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں ہے، بس دل میں یہ نیت کافی ہے کہ میں تہجد کی نماز ادا کر رہا ہوں، اور الفاظ ادا کرنے ہوں تو تہجد کی نیت اس طرح کرے: ''نويت أن أصلي ركعتي صلاةِ التهجدِ سنة النبيِ صلى الله عليه وسلم'' یا اپنی زبان میں یوں نیت کرے کہ: ''میں دو رکعت تہجد کی نماز پڑھ رہا ہوں۔'' اللہ اکبر! نیز اگر رات کو صرف نفل نماز کی نیت سے نماز

پڑھے گا، تب بھی تہجد کی نماز ہوجائے گی۔

نمازِ تہجد کا وقت

تہجد کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، بہتر یہ ہے کہ آدھی رات گزرنے کے بعد تہجد کی نماز پڑھی جائے، باقی عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی وقت تہجد کی نماز پڑھنے سے تہجد کی نماز ہوجائے گی، نیز تہجد کے لیے سونا شرط نہیں ہے، البتہ رات کے آخری پہر میں پڑھنا افضل ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں:

لفظ تہجد ''ھجود'' سے مشتق ہے، اور یہ لفظ دو متضاد معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے بیدار ہونے کے بھی۔ اسی رات کی نماز کو اصطلاحِ شرع میں نمازِ تہجد کہا جاتا ہے، اور عموماً اس کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ کچھ دیر سو کر اُٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے، وہ نمازِ تہجد ہے، لیکن تفسیرِ مظہری میں ہے کہ مفہوم اس آیت ''ومن اللیل فتھجد بہ'' کا اتنا ہے کہ رات کے کچھ حصہ میں نماز کے لیے سونے کو ترک کردو، اور یہ مفہوم جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے، اسی طرح شروع ہی میں نماز کے لیے نیند کو مؤخر کرکے نماز پڑھنے پر بھی صادق ہے، اس لیے نمازِ تہجد کے لیے پہلے نیند ہونے کی شرط قرآن کا مدلول نہیں، پھر بعض روایاتِ حدیث سے بھی تہجد کے اسی عام معنی پر استدلال کیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے نمازِ تہجد کی جو تعریف نقل کی ہے، وہ بھی اسی عموم پر شاہد ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے، البتہ تعامل کی وجہ سے اس کو کچھ نیند کے بعد پر محمول کیا جائے گا۔''

اس کا حاصل یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے اصل مفہوم میں ''بعد النوم'' ہونا شرط نہیں، اور الفاظِ قرآن میں بھی یہ شرط موجود نہیں، لیکن عموماً تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا یہی رہا ہے کہ نمازِ آخر رات میں بیدار ہوکر پڑھتے تھے، اس لیے اس کی افضل صورت یہی ہوگی۔

نمازِ تہجد کی رکعات

اکثر وبیشتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد آٹھ رکعات تھیں، اسی وجہ سے فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہے کہ تہجد میں افضل آٹھ رکعات ہیں؛ تاہم اگر کوئی شخص محض دو یا چار رکعات تہجد ادا کرتا ہے تو یہ بھی درست ہے اور ایسا شخص تہجد پڑھنے والا شمار ہوگا۔

باقی تہجد نفل نماز ہے، اور نفل نماز دو دو رکعت ہے، یعنی جفت عدد میں ہی ادا کی جاتی ہے، نفل نماز طاق عدد میں ادا نہیں کی جاتی، بعض احادیث میں اس کی ممانعت منقول ہے، ہاں! جس شخص کا معمول تہجد کی

نماز ادا کرنے کا ہو، اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ نمازِ وتر عشاء کے متصل بعد نہ پڑھے، بلکہ تہجد کے آخر میں نمازِ وتر ادا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ نمازِ تہجد کے آخر میں وتر ادا فرماتے تھے، اس لیے بہت سی روایات میں طاق عدد کا ذکر ملتا ہے، درحقیقت وہ طاق عدد نمازِ تہجد کا نہیں، بلکہ تہجد مع وتر کا ہے۔

اہتمامِ نمازِ تہجد کے لیے تدابیر

جو شخص اس سعادت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد، دیگر مشاغل میں اپنے آپ کو مصروف نہ رکھے۔ عشاء کے بعد کوئی میٹنگ نہ رکھے، کسی سے ملنے نہ جائے، دیر تک مطالعہ نہ کرے، کسی کو رات دیر گئے مدعو نہ کرے (الا یہ کہ کوئی شدید حاجت اور ضرورت ہو، یا کسی اضطراری صورت حال سے دوچار ہونا پڑے) عام دنوں اور عام حالات میں، اپنے ان معمولات پر سختی سے عمل کرے، ورنہ اندیشہ رہتا ہے کہ آدمی اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائے گا۔ نمازِ تہجد کے اہتمام کے لیے ضروری ہے کہ نمازِ تہجد کی اہمیت اور فضیلت کا علم اور احساس ہو۔

اہتمامِ تہجد کی ایک اور اہم تدبیر یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی موت کو یاد کرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ’’جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کر لو تو شام کا انتظار نہ کرو (نہ جانے کب موت آجائے) اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے غنیمت جانو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے کچھ حاصل کر لو۔‘‘ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۴۱۵)

مومن کو چاہیے کہ سونے سے پہلے سونے کے مسنون اذکار پڑھ لے، بالخصوص آیت الکرسی پڑھ لے، تاکہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جائے اور جلد سو کر جلد بیدار ہو جائے۔

اہتمامِ تہجد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ رات میں زیادہ کھا کر نہ سوئے اور دوپہر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ ضرور کر لے۔ یہ قیلولہ نمازِ تہجد کے لیے اُٹھنے میں نہایت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا تدبیروں کو اختیار کرنے سے اُمید کی جاسکتی ہے کہ انسان نمازِ تہجد کا باقاعدگی سے اہتمام کر سکے گا۔ شب بیداری اور سحر خیزی ہمیشہ صالحین کا شعار رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ بطور تحدیثِ نعمت اپنی سحر خیزی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نمازِ تہجد پڑھنے کی توفیق عطا فرما کر مستقل اس پر عمل پیرا فرما دے۔ (آمین یا رب العالمین!)

’’گرین گولڈ‘‘: مستقبل کی تخیلاتی معیشت کی بنیاد!

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

تخیلاتی وتصوراتی اور غیر حقیقی اَثاثوں پر مبنی معیشت کو فروغ دینے اور حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت کو بتدریج ختم کرنے کے لیے عالمی سطح پر کئی جہتوں سے کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس تناظر میں ایک طرف تو ’’قدر‘‘ کی تعریف ہی تبدیل کرنے کی کوششیں اپنے بامِ عروج پر ہیں تو دوسری طرف ایسی نت نئی مالیاتی پروڈکٹس اور سروسز عالمی مالیاتی نظام میں متعارف کروائی جارہی ہیں، جن کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی پر بس نہیں کیا جارہا، بلکہ ڈی سینٹرلائزڈ فنانس یعنی ڈی فائی (DecentralizedFinance DeFi) کے نام پر ایک متبادل عالمی مالیاتی نظام کو نئے سرے سے مرتب کیا گیا ہے، جس کے تحت ایسی فنانشل پروڈکٹس وسروسز کی ترویج واشاعت تدریجاً کی جارہی ہے جن کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً: فلیش لون، اسٹیکنگ/ لینڈنگ، ڈی سینٹرلائزڈ ایپلی کیشنز وغیرہ۔ نیز ’’عالمی ماحولیاتی آلودگی سے تدارک‘‘ کا لبادہ اوڑھے گرین گولڈ کے نظریے کو پیش کیا گیا ہے، جس کے تحت سونے کو زیرِ زمین ہی رہنے دیا جائے اور سونے کو نکالنے کے لیے کان کنی نہ کی جائے۔ گرین گولڈ نظریے کو عملاً نافذ کرنے کے لیے پہلے علمی وعقلی دلائل سے عوام الناس کے اندر رائے عامہ ہموار کی جارہی ہے اور پھر مستقبل میں یہ احتمال ہے کہ ایک منظم طریقے سے اس نظریہ اور اس کی عملی شکلیں معاشرے میں رواج دینے کی کوششیں کی جائیں گی۔

دنیا کے مشہور سرمایہ کار اور امیر ترین شخصوں میں سے ایک وارن بافیٹ نے ۱۹۹۸ء میں ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں اپنی تقریر میں کہا:

‘‘[Gold] gets dug out of the ground in Africa, or someplace. Then we melt it down, dig another hole, bury it again, and pay people to stand around guarding it. It has no utility.”

’’[سونا] افریقہ میں، یا کسی جگہ زمین سے کھودا جاتا ہے، پھر ہم اسے پگھلاتے ہیں، ایک اور

گڑھا کھودتے ہیں، اسے دوبارہ دفن کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس کی حفاظت کے لیے کھڑے ہونے کے لیے ادائیگی کرتے ہیں، اس کی کوئی افادیت نہیں ہے۔'' (حوالہ: فوربزنس میگزین)

یہ بیان غیر حقیقی معیشت کو پروان چڑھانے والی سوچ کی عکاسی کرتا ہے، یہ وہ طرزِ فکر ہے جس کے تحت عالمی معاشی نظام کی جڑیں کھوکلی ہوتی ہیں، ایک ایسی معیشت کو تقویت دی جاتی ہے جو کہ عالمی مالیاتی بحرانوں کا پیش خیمہ بنتی ہے اور کساد بازاری کی بنیادی وجہ ہے۔ پوری دنیا کی معیشت پر جن لوگوں کا اثر ورسوخ ہے، ان میں سے بیشتر اسی طرزِ فکر کے حامی ہیں، اس کے ذریعے عالمی معیشت کو کنٹرول کرتے ہیں اور ایسے ہتھکنڈے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، جن سے عالمی معیشت پر اُن کی گرفت مضبوط رہے۔

''گرین گولڈ'' سے مراد سونے کی وہ شکل ہے جس کو زمین سے کان کنی کرکے نکالا نہ گیا ہو، بلکہ زمین کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور محض تخمینہ کے ذریعے سونے کے زیرِ زمین ذخائر کا اندازہ لگا کر اس فرضی سونے کے تخمینے کی حقیقی دنیا میں خرید وفروخت شروع کردی جائے، مثلاً کسی جگہ سونے کے ذخائر کی موجودگی کے شواہد ملنے کے بعد جدید سائنسی طریقے سے تخمینہ لگا کر سونے کے ذخائر کا اندازہ لگا لیا جائے، پھر اس سونے کی قیمت بازاری ریٹ کے حساب سے لگا کر اس زیرِ زمین سونے کی خرید وفروخت کی جائے۔ دوسرے الفاظ میں سونے کے ذخائر کا کمپیوٹر کے کھاتوں میں اندراج کردیا جائے اور پھر اس کی خرید وفروخت کی جائے، مثلاً اگر دو سوٹن زیرِ زمین سونے کے ذخائر کا تخمینہ لگایا گیا تو اس زیرِ زمین سونے کا اندراج کمپیوٹر کے کھاتوں میں کردیا جائے اور پھر عالمی مارکیٹ میں حقیقی سونے کی مارکیٹ قیمت کے حساب سے اس زیرِ زمین سونے کی تجارت شروع ہوجائے۔ آسان الفاظ میں زیرِ زمین موجود سونے کے ذخائر کا محض تخمینہ لگا کر سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس طرح کی سونے کی سرمایہ کاری کو ''صاف'' اور ''گرین'' سرمایہ کاری کا عنوان دیا گیا ہے۔

اس طریقے سے گرین گولڈ کے محض کمپیوٹر کھاتوں میں اندراج کی خرید وفروخت سے کئی سنگین مسائل جنم لیں گے، مثلاً: اس بات کو کیسے ملحوظ رکھا جائے گا کہ کاغذوں اور کمپیوٹر پر اتنی ہی زیرِ زمین سونے کی مقدار کا اندراج کیا گیا، جس کا تخمینہ لگایا گیا تھا؟ کاغذوں اور کمپیوٹر پر اندراج ہی تو کرنا ہے، تخمینہ لگائی گئی مقدار کے بجائے زیادہ اندراج کردیا جائے اور پھر اس کی خرید وفروخت شروع کردی جائے، پھر تو دیگر سیاروں مثلاً مریخ پر ممکنہ طور پر موجود سونے کے ذخائر کو نکالے بغیر ان کی تجارت کرنے کی راہیں ہموار کی جائیں گی اور اس کی ملکیت پھر انہی ممالک کے پاس ہوگی جن کا اسپیس پروگرام ہے۔ پھر سونے کے ذخائر کی تلاش کی کُلفت اُٹھانے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ بس جس کا دل چاہے سونے کی فرضی مقدار سوچ لے، کمپیوٹر کھاتوں میں جتنے چاہے سونے کے ذخائر کا اندراج کردے اور پھر خرید وفروخت شروع! اس سوچ کی ایک

نظیر مُرَوَّجہ فلیش لون ہے، جس میں اثاثوں کی غیر موجودگی میں اس فرضی اثاثے کا قرضہ فراہم کیا جاتا ہے اور یہی کچھ ''گرین گولڈ'' کے تناظر میں بھی ہوتا نظر آرہا ہے۔

دیکھیے! بنیادی بات یہ ہے کہ اس وقت انٹرنیٹ پر حقیقی سونے کی مُرَوَّجہ خرید وفروخت بذریعہ مارکیٹ ہے، مثلاً لندن کی اوور دی کاؤنٹر مارکیٹ London OTC Market ، امریکی فیوچر مارکیٹ COMEX، چائنیز مارکیٹ، مثلاً شینگھائی گولڈ ایکسچینج SGE، شینگھائی فیوچرز مارکیٹ SHFE، نیویارک مرکنٹائل ایکسچینج NYMEX وغیرہ شامل ہیں اور دوسری صورت گولڈ بُلین کی صورت میں سونے کی خریداری ہے۔ سونے کی خرید وفروخت کموڈیٹی مارکیٹ کے ذریعے عمومی طور پر انجام دی جاتی ہے اور علمائے کرام کے مطابق کموڈیٹی ٹریڈنگ (سونا چاندی اور دیگر اشیاء واجناس کی آن لائن تجارت) مختلف وجوہات مثلاً: مبیع قبل القبض اور بعض صورتوں میں مبیع معدوم ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔ قارئین غور فرمائیں کہ حقیقی سونا موجود ہے، مگر چونکہ سونا بیچنے والے کے پاس سونا بیچتے وقت اس حقیقی سونے کی ملکیت اور قبضہ نہ آیا، لہٰذا اس حقیقی سونے کی خرید وفروخت بھی ناجائز ٹھہری، چہ جائیکہ گرین گولڈ جس میں تو سونا سرے سے موجود ہی نہیں، محض تخمینہ اور سونے کے ذخائر کے فرضی نمبروں کا کھاتے میں اِندراج کی خرید وفروخت ہے۔ لہٰذا مفتیانِ کرام کے مطابق گرین گولڈ کی تجارت بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے۔

گرین گولڈ نظریہ کے حامی سونے کی کان کنی سے پیدا ہونے والے نقصانات گنواتے ہیں، مثلاً: سونے کی کان کنی سے ماحولیات پر اثر جیسے دریاؤں پر اثر، زمین کے قدرتی مناظر Landscape کا خراب ہونا، آب وہوا Climate پر اثر، جنگلاتی حیات Flora and Fauna پر اثر، جانوروں کی رہائش گاہ پر اثر اور بائیوڈاوَرسٹی یا حیاتیاتی تنوع Biodiversity شامل ہیں۔ گرین گولڈ نظریہ کے حامی افراد کی باتوں سے یہ تأثر ملتا ہے کہ سونے کی کان کنی کے ماحولیات پر سنگین نتائج مرتب ہوتے ہیں، جبکہ یہ حضرات سائنسی تجزیہ سے مستند اعداد وشمار پیش نہیں کرتے کہ کون کون سے عوامل کتنے فیصد ماحولیاتی آلودگی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور اس میں سونے کی کان کنی کا کتنا تناسب ہے۔ ہماری رائے میں سونے کی کان کنی پر پابندی کی بجائے ماحولیاتی آلودگی کے بڑے اسباب کا تدراک کیا جائے، مثلاً: ترقی یافتہ ممالک کا صنعتوں میں کیمیائی مادوں کا بے دریغ استعمال، جنگلات کا کٹاؤ، انٹرنیٹ کو چلانے والے ڈیٹا سینٹرز و دیگر ماحولیات پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا تدارک شامل ہے۔ امریکہ کی ماحولیاتی آلودگی کے تحفظ کی تنظیم (Envorinmental Protection Agency EPA) کے ۲۰۱۹ء کے اعداد وشمار کے مطابق چونتیس فیصد پاور کی صنعت (بجلی کی پیداوار اور ٹھنڈے ممالک میں حرارت کی پیداوار)، چوبیس فیصد مختلف صنعتوں، بائیس فیصد زراعت، پندرہ فیصد ٹرانسپورٹ اور چھ فیصد بلڈنگ سے گرین ہاؤس گیس (جو کہ سطح

زمین پر درجہ حرارت بڑھنے کا سبب بنتی ہیں) کا اخراج ہوا ہے۔ یورپی کمیشن کی ۲۰۲۳ء کی گرین ہاؤس گیس کے اخراج کی رپورٹ ان اعداد وشمار کی تائید کرتی ہے اور اس میں مہیا کیے گئے اعداد وشمار کے مطابق عالمی سطح پر سب سے زیادہ گرین ہاؤس گیس کا اخراج پاور کی صنعت (بجلی وحرارت کی پیداوار)، ٹرانسپورٹ، بلڈنگ، زراعت، فضلہ اور معدنی وسائل کے ڈھونڈنے میں ہوتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ورلڈ گولڈ کونسل کے مہیا کیے گئے اعداد وشمار کے مطابق سونے کی صنعت (کان کنی وغیرہ) کا گرین ہاؤس گیس اخراج میں ایک فیصد سے بھی کم کا حصہ ہے، لہٰذا یہ تأثر دینا کہ سونے کی کان کنی ہی ماحولیاتی آلودگی کا اصل اور بڑا سبب ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔

گرین گولڈ نظریہ کے حامی گرین گولڈ کی تجارت کے کئی فوائد گنواتے ہیں، مثلاً ایسا کرنے سے ماحولیاتی آلودگی کا خاتمہ ہوگا۔ ''گرین گولڈ'' بطور ''نیا اثاثہ'' سستا بھی ہوگا، اس میں کان کنی کا خرچہ بھی بچے گا، مائننگ کمپنیوں کو مزدوری بھی ادا نہیں کرنی پڑے گی، رائلٹی بھی نہیں دینی پڑے گی اور بھاری مشینری کے اخراجات سے بھی نجات ملے گی۔ غور فرمایئے کہ ''اثاثہ'' کی تعریف ہی تبدیل کردی گئی ہے اور ایک موہوم، فرضی اور معدوم چیز کو اثاثہ گردانا جارہا ہے۔ پھر یہ بات پیش کی گئی ہے کہ اس سے سرمایہ کاروں کے لیے سرمایہ کاری کے مواقع بڑھیں گے۔ درحقیقت یہ سرمایہ کاری کے مواقع نہیں بڑھ رہے، بلکہ غیر حقیقی معیشت کو فروغ دے کر لوگوں سے پیسے بٹورنے کے جدید طریقے ہیں۔

ایک اہم غور طلب پہلو یہ بھی ہے کہ جن علاقوں میں سونے کی کانیں دریافت ہوتی ہیں اور کان کنی کی جاتی ہے تو وہاں کی مقامی آبادی کو سونے کی کان کنی کرنے والی کمپنیاں اور حکومتیں رائلٹی کی مد میں بھاری معاوضہ ادا کرتی ہیں۔ گرین گولڈ کی صورت میں جس جگہ سونے کے ذخائر کا تخمینہ لگایا جائے گا، وہاں سے سونا نکالا نہیں جائے گا، اور بغیر اس اثاثے یعنی سونے کے حصول کے کون رائلٹی ادا کرے گا؟ اگر بفرضِ محال کوئی کمپنی ادا کرے گی تو پھر وہ کمپنی کئی گنا کمائے گی بھی اور وہ بھی بغیر کسی حقیقی اثاثوں کی ملکیت کے بغیر۔ سونے کی کان کنی اس وجہ سے بھی ضروری ہے، کیونکہ جب سرمایہ کاروں کو سونے میں سرمایہ کاری اور تجارت کرنا ہوتی ہے تو سونے تک ان کی رسائی بھی لازمی ہونی چاہیے۔ سونے کی تجارت بغیر سونے تک حقیقی رسائی کے ممکن نہیں اور انسانی معاشرے کی بھلائی کے لیے اسلام نے حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت کے اصول وضع کیے ہیں۔

تاریخی طور پر سونے کو ''قدر کو محفوظ'' کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دینار دے کر بھیجا کہ ایک جانور قربانی کے لیے خریدیں، جس پر آپؓ نے قربانی کے لیے ایک بکری خریدی۔ (حوالہ: تقریرِ ترمذی، حصہ معاملات، جلد اول، صفحہ: ۱۸۷) جمہور مفتیانِ کرام کی تحقیق کے مطابق ایک دینار (سونے) کی مقدار چار اعشاریہ تین سات چار گرام ۱ Dinar = ۴.۳۷۴

grams ہے۔ (حوالہ: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''اوزانِ شرعیہ'') آج بھی ایک دینار کی قیمت تقریباً ایک لاکھ پاکستانی روپے بنتی ہے، جس سے ایک بکری لی جاسکتی ہے، یعنی چودہ سو سال گزرنے کے باوجود سونے نے اپنی قدر کو قائم رکھا ہوا ہے، اب بھلا ''گرین گولڈ'' کے فرضی اندراج سے قدر کو کس طرح محفوظ رکھا جاسکتا ہے؟

''گرین گولڈ'' سے انسانیت کو فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہے۔ سونے کی کان کنی سے کئی صنعتیں جڑی ہیں اور بلا مبالغہ لاکھوں مزدوروں، انجینئر، سائنسدان، ہیوی مشین آپریٹرز، جیولوجسٹ، کیمیکل انجینئر وغیرہ کی نوکریاں وابستہ ہیں۔ گرین گولڈ سے ان تمام لوگوں کی حق تلفی ہوگی، ان کے گھرانوں کی روزی روٹی بند ہوگی اور یہ مزدوروں کے حقوق پر سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایک کاری ضرب ہے اور اس کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام مزدوروں کے حقوق غصب کرنا چاہتا ہے۔ سائنس اور معاشی علوم کا مقصد انسانیت کی فلاح اور بہتری ہے۔ گرین گولڈ کو 'عالمی ماحولیاتی آلودگی سے تدارک' کا لبادہ اوڑھے پیش کرنے سے محض چند لوگوں کو فائدہ پہنچے گا اور بہت زیادہ لوگوں کو نقصان پہنچے گا۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر ہمیں گرین گولڈ کے نظریہ کے بجائے حقیقی سونے کی خرید وفروخت پر انحصار کرنا چاہیے۔

دیکھیے! سونا ایک قیمتی دھات ہے، جس کی اپنی ذاتی قدر ہے، قیمتی اثاثہ ہے اور تاریخی طور پر اس کو بطور آلۂ مبادلہ استعمال کیا گیا۔ سونے کے دیگر اہم استعمال بھی ہیں، مثلاً الیکٹرونکس کے آلات اور خاص طور پر موبائل فون، دندان سازی اور کمپیوٹر ہارڈ ویئر میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز سونے کے زیورات کے ذریعے تزئین و آرائش حاصل کی جاتی ہے۔ سونے کی کان کنی سے کئی دیگر صنعتیں بالواسطہ اور بلاواسطہ متعلق ہیں۔ سونے کی کان کنی سے غربت کا خاتمہ ہوتا ہے، لوگوں کو نوکریاں ملتی ہیں، اور معیشت کا پہیّہ چلتا ہے۔ ورلڈ گولڈ کونسل کے ۲۰۲۴ء کے اعداد وشمار کے مطابق تقریباً بیالیس فیصد سونے کا استعمال جیولری بنانے میں، پچیس فیصد بار اور سکّے بنانے میں، چھ فیصد ٹیکنالوجی میں، اور بائیس فیصد سونا مختلف ممالک کے سینٹرل بینک نے اپنے ذخائر میں خرید کر رکھا ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ جن ممالک میں سونے کے ذخائر ہیں، ان میں سے کچھ پر مغربی استعماری قوتوں کے تسلط کی وجہ سے یہ ممالک شدید ترین بدحالی اور معاشی کمزوری کا شکار ہیں۔ کچھ امیر ممالک اپنی طاقت کے بل بوتے پر ان ممالک کو غریب سے غریب تر کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے معدنی وسائل پر مکمل قبضہ کرلیا ہے، لہٰذا جو لوگ ''گرین گولڈ'' کے نظریے کے حامی ہیں، دراصل عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ ایک طرف تو وہ سونے کے بیکار پڑے رہنے کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف یہی لوگ اپنے لیے سونے کے انبار اکھٹا کرتے نہیں تھکتے۔

جب ''گرین گولڈ'' کے حامی یہ کہتے ہیں کہ سونے کی کوئی ذاتی قدر نہیں، اس کا کوئی فائدہ نہیں، بس بے کار یوں ہی تجوریوں میں پڑا ہوا ہے، اور سونے کی کان کنی نہیں کی جانی چاہیے، کیونکہ سونا تو ویسے ہی حکومتی اور سونے کی کمپنیوں کے والٹس Vaults یعنی تجوریوں میں پڑا رہتا ہے تو بنیادی طور پر پوری دنیا کو ایک ایسے نظام کی طرف لے جا رہے ہیں، جس کی بنیاد تصوراتی وتخیلاتی معیشت ہے، اور حقیقی معیشت سے اس کا دور کا کوئی تعلق نہیں۔ دیکھیے! ۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء کے عالمی مالیاتی بحران کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ورلڈ اکنامک فورم پر جو مقالہ پیش کیا، اس میں چار بنیادی عوامل کو پیش کیا، جن کی وجہ سے بڑے پیمانے پر معاشی بحران پیدا ہوا۔ اول یہ کہ نقدی کو اُس کے بنیادی مقصد یعنی ذریعۂ تبادلہ سے ہٹانا اور اُسے خود تجارت کا آلہ بنانا، دوم ڈیریویٹیوز Derivatives کا بہت زیادہ سرائیت کر جانا، سوم یہ کہ قرضوں کی فروخت اور چہارم یہ کہ اسٹاک، اشیاء اور کرنسیوں میں شارٹ سیل Short Sales اور بلینک سیل Blank Sales۔ گرین گولڈ بھی دراصل عالمی معاشی بحران کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، کیونکہ اس سے بھی سٹے بازی اور غیر حقیقی معیشت کو فروغ ملے گا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ پوری دنیا کو معاشی طور پر کنٹرول کرنے والے ''گرین گولڈ'' کی ترغیب دے رہے ہیں، جبکہ خود اُن کی جان سونے میں اٹکی ہوئی ہے، یعنی ایک طرف تو سونے کی کان کنی کی خامیاں گردانتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف فیڈرل ریزرو امریکہ، بینک آف انگلینڈ برطانیہ، اور آئی ایم ایف نے سونے کے ذخائر کے انبار لگا رکھے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرانگی ہوگی کہ برطانیہ کے ''بینک آف انگلینڈ'' کے پاس والٹس Vaults میں ساڑھے پانچ ہزار ٹن (تقریباً پچاس لاکھ کلوگرام) سونے کے بُلین موجود ہیں، جس کی آج کل کے حساب سے مارکیٹ ویلیو تقریباً ایک سو اسّی بلین امریکی ڈالر سے زائد کی ہے اور یہ مقدار پوری دنیا کے سونے کے ذخائر کی پانچ فیصد بنتی ہے، جس کی آج تک کان کنی کی گئی ہے (حوالہ: مارک کارنی، ویلیو(ز)، سگنل، ۲۰۲۲ء)۔ اگر سونے میں اتنی ہی خامیاں ہیں تو کیوں فیڈرل ریزرو امریکہ، بینک آف انگلینڈ برطانیہ، اور آئی ایم ایف، و دیگر ترقی یافتہ ممالک اپنے تمام سونے کے ذخائر سے نجات حاصل نہیں کر لیتے؟ کیوں خود بھی عملی طور پر سونے سے نجات حاصل کر کے صرف اور صرف گرین گولڈ پر انحصار نہیں کر لیتے؟ کیوں اپنے سارے گولڈ کے اثاثے غریب ممالک میں تقسیم نہیں کر دیتے؟ ایسا نہیں کریں گے، کیونکہ سونے کی قدر کا اُن کو بخوبی ادراک ہے۔ ان کا مطمح نظر تو صرف لوگوں میں حقیقی سونے کی اہمیت کم کر کے گرین گولڈ کے عنوان سے تخیلاتی وتصوراتی اور غیر حقیقی اثاثوں پر مبنی معیشت کو فروغ دینا اور لوگوں سے دولت سمیٹنا ہے!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اُمت کے اتفاقی موقف سے انحراف گمراہی ہے

قرآن وسنت کی صحیح تشریح کا معیار (تیسری اور آخری قسط)

مولانا محمد نعمان خالد
استاذ جامعۃ الرشید، کراچی

کیا اُمت کے اتفاقی عقیدے سے انحراف کی بنا پر کفر کا صدور بھی ہے؟

پیچھے ذکر کی گئی بحث سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی شخص اُمت کے اتفاقی موقف سے انحراف کرتا ہے تو وہ انحراف کبھی گمراہی ہوتا ہے، البتہ کبھی معاملہ کفر تک بھی جا پہنچتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اُمت کا اتفاقی موقف کسی ظنی دلیل پر مبنی ہو، جیسے بیس تراویح کا ثبوت یا ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہونا یا امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونا، وغیرہ، یہ مسائل ظنی دلائل یعنی خبرِ واحد سے ثابت ہیں، لہٰذا ان مسائل کا اگر کوئی شخص انکار کرتا ہے تو یہ گمراہی ہے، اس لیے کہ اُمت نے جس معنی اور مفہوم کو لیا وہ یقیناً صحیح اور حق ہے، اس کے برخلاف دوسرا مفہوم باطل ہوگا اور اگر اُمت کا اتفاقی موقف کسی دلیل قطعی پر مبنی ہو، یعنی اس کے پیچھے قرآن کریم کی آیت یا حدیث متواتر ہو، جیسے ضروریاتِ دین وغیرہ۔ کیونکہ ضروریاتِ دین سے مراد وہ عقائد اور اعمال ہیں کہ جن کو شروع سے لے کر موجودہ زمانے تک اُمت کے ہر طبقہ اور ہر خاص وعام نے بیان کیا کہ یہ شریعت کا لازمی مسئلہ ہے، مثلاً پانچ نمازوں کا فرض ہونا، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا، حج اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، طوافِ زیارت کا فرض ہونا، وقوفِ عرفہ کا فرض ہونا، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور دیگر بھی بہت سے ضروریاتِ دین ہیں جن کو شیخ الاسلام علی ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۴ھ) ہجری میں اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمایا ہے اور ان کی تعداد ایک سو بیس کے قریب گنوائی ہے تو اگر کوئی شخص ان ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ درحقیقت اُمت کے قطعی عقیدے اور نظریے کا انکار کر رہا ہے اور دین کے کسی بھی قطعی عقیدے کا انکار کفر ہے، کیونکہ ایمان صرف چند چیزوں کی تصدیقِ قلبی کا نام نہیں، بلکہ ایمان تمام ان امور کو دل سے مان لینے کا نام ہے، جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور ہم تک وہ یقینی اور قطعی ذرائع سے پہنچے، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت

کی ہے، دیکھیے عبارت:

’’والإيمان هو الإقرار باللسان والتصديق بالجنان وجميع ما صح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشرع والبيان كله حق.‘‘

لہٰذا جب ایمان دین اسلام کی تمام قطعیات اور نبی کریم ﷺ سے مروی تمام یقینی چیزوں کو مان لینے سے مکمل ہوتا ہے تو ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی کفر اور گمراہی ہوگا، اسی لیے امت کے علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے تمام ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ دین یعنی امت کے تمام اتفاقی قطعی عقائد کو ماننا ضروری ہے، لیکن اسلام سے نکلنے کے لیے کسی ایک قطعی عقیدے کا انکار بھی کافی ہے۔

اُمت کے اتفاقی عقیدے کی مخالفت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی امت کے اتفاقی عقیدے اور نظریے کی جب کسی شخص نے مخالفت کی اور اس کا انکار کیا تو اس کا شدت کے ساتھ رد کیا گیا، خصوصاً جبکہ وہ مسئلہ ایسا ہو کہ اس کے انکار سے کفر لازم آتا ہو، جیسے مسیلمہ کذاب نے صرف اس بات کا انکار کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی نہیں ہیں، بلکہ میں بھی نبی ہوں، منکرینِ زکوٰۃ نے نبوت کا انکار نہیں کیا تھا، بلکہ زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کیا تو یہ صرف ایک عقیدے کا انکار ہے، لیکن اس کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں قتال کیا اور اس فتنے کا قلع قمع کیا، اگرچہ اس کے بدلے میں سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

اس کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طرزِ عمل رہا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جہمیہ ایک گمراہ فرقہ تھا، جو قرآن کریم کی آیات میں تعارض کو ثابت کرتا تھا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہوں نے اپنی کتابیں پیش کیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی کتابوں کو دیکھا اور حکم دیا کہ آگ بھڑکائی جائے، چنانچہ آگ بھڑکائی گئی، آپ نے ان کی کتابوں کو بھی آگ میں جلا ڈالا اور ان لوگوں کو بھی آگ میں جلا ڈالا۔ یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے پاس آتے تو میں ان کو آگ میں نہ جلاتا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، البتہ میں ان کو قتل کرتا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا دین بدل لے اس کو قتل کر ڈالو۔ اس حدیث پاک میں جس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا ہے اور یہ سنداً صحیح حدیث ہے، اس میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ان لوگوں کے قتل پر اتفاق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے اور اس کی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی بیان فرمائی کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بدل لے اس کو قتل کر ڈالو،

اگرچہ یہ حکم خلیفۂ وقت کے ساتھ خاص ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت خلیفہ تھے، اس وجہ سے انہوں نے یہ اقدام کیا، عام رعایا میں سے کسی کو قتل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن اصولی مسئلہ سمجھ میں آ گیا کہ کسی ایک عقیدے کا انکار بھی کفر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں بھی اسی پر عمل کیا گیا، چنانچہ معتزلہ، خوارج، جبریہ، قدریہ، مرجئہ، جہمیہ اور ایسے تمام فرقوں کو گمراہ قرار دیا گیا، ماضی قریب میں بھی جتنے فتنے اور گمراہ اٹھے، ان سب پر صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جمہور علمائے کرام نے اتفاقی طور پر ان پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا، چنانچہ آغا خانیوں نے نماز کا انکار کیا، کیونکہ وہ لغوی معنی سے استدلال کرتے ہوئے کہتے تھے کہ نماز کا معنی دعا ہے، اسی طرح قادیانیوں نے نبوت کے ختم ہونے کا انکار کیا اور خاتم النبیین کی آیت میں تاویل کی۔ اسی طرح اسماعیلیوں نے قرآن کریم کی درج ذیل آیتِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے روزے کا معنی خاموشی بیان کیا:

''إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا'' (مریم:۲۶)

امت کے نزدیک بھی اس آیت میں صوم کا معنی واقعتاً خاموشی ہے، لیکن امت نے دوسری آیتِ مبارکہ میں نصوصِ قطعیہ کی بنا پر صیام کا معنی خاموشی مراد نہیں لیا، بلکہ صبح سے شام تک تین چیزوں یعنی کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کا نام روزہ رکھا۔ اسی طرح روافض اور بوہری فرقہ کے لوگ قطعیاتِ دین کا انکار کرتے ہیں، اس لیے امت کے جمہور علماء کرام یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، بریلوی اور اہلِ حدیث مکتبِ فکر وغیرہ سب نے اس پر اتفاق کیا کہ یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امت کے اتفاقی موقف سے انحراف کبھی گمراہی اور کبھی کفر کا سبب بنتا ہے۔

اُمت کے اتفاقی عقیدے سے کیا مراد ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اس کا پتہ کیسے چلے گا کہ یہ امت کا اتفاقی عقیدہ ہے یا مختلف فیہ؟ تو اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل اجماع ہے، اجماع کا مطلب یہ ہے کہ کسی زمانہ کے علماء کرام کا دین کے کسی عقیدے، نظریے اور مسئلے پر اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے اور اس اجماع پر مختلف علماء کرام نے کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک کتاب ''الإجماع'' کے نام سے امام ابن منذرؒ (۳۱۹ھ) کی ہے، دوسری کتاب ''مسائل الإجماع'' کے نام سے امام ابن حزم ظاہریؒ (۴۵۶ھ) کی ہے، تیسری کتاب ''الإقناع في مسائل الإجماع'' کے نام سے امام ابوالحسن بن قطان فاسیؒ (۶۲۸ھ) کی ہے۔ ان کتب کو آدمی دیکھ سکتا ہے اور ان سے اندازہ لگایا جا سکتا

ہے کہ کون سے مسائل اجماعی ہیں، البتہ ان کتب میں کچھ مختلف فیہ مسائل بھی آ چکے ہیں، اس لیے اجماعی مسائل کی تعیین میں دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ ضروری ہے۔ پھر اجماعی مسائل میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ اجماع اگر کسی قطعی مسئلے پر ہو اور ہم تک وہ قطعی ذرائع سے ہی پہنچا ہو تو ایسی صورت میں اس کا انکار کفر ہے، جیسے ختم نبوت کا منکر کافر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اجماع کسی ظنی مسئلے پر ہو، پھر ظنی مسئلے میں بھی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت

ایک یہ کہ ظنی مسئلے کا اجماع ہم تک قطعی دلائل اور ذرائع سے پہنچا، جیسے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا ایک ہونا وغیرہ، ہر زمانہ کے ہزاروں لوگوں نے بیان کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہیں۔ اور زمانہ کے اتنے لوگوں کا بیان کرنا کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہ ہو اس کو تواتر کہتے ہیں اور یہ تواتر مسائل کے نقل کرنے کا قطعی ذریعہ ہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ اجماع کسی ظنی اور مجتہد فیہ مسئلے پر ہو اور ہم تک ظنی ذرائع سے پہنچا ہو، یعنی کسی امام نے نقل کر دیا، پھر اس کو بہت سے لوگوں نے نقل نہیں کیا، بلکہ فرداً فرداً ان کی بات نقل ہوتی آئی، اسی لیے بعض مسائل کے اجماعی ہونے میں اختلاف بھی ہے، بعض حضرات نے کہا: یہ اجماعی مسئلہ ہے، دوسرے بعض نے کہا: اجماعی نہیں ہے، جیسے مالی جرمانہ لینے کا مسئلہ، وغیرہ، تو ایسے مسئلے کے انکار کو گمراہی نہیں کہا جائے گا، بلکہ اگر کوئی محقق عالم دلائل کی بنیاد پر اس سے اختلاف کرے تو اس کی گنجائش ہے، جیسے علامہ شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیرِ مالی کو جائز قرار دیا، کتبِ فقہ میں اس کی اور بھی نظائر موجود ہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ لفظ اجماع کبھی کسی ایک فرقے یا جماعت کے علماء کا اتفاق بھی کہلاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ذکر کیے گئے بعض مسائل جن میں ہمارے حنفی حضرات متفق تھے، اس کو اجماع سے تعبیر کیا گیا تو ایسی صورت میں اس کا انکار بھی کفر یا گمراہی نہ ہوگا۔

کیا اتفاقی عقیدہ ہونے کے لیے پوری امت کا اتفاق ضروری ہے؟

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا امت کے اتفاق کے لیے پوری امت کا اتفاق ضروری ہے؟ تو یہ بات سمجھ لیجیے کہ یہاں پوری انسانیت مراد نہیں ہے، بلکہ امت کی دو قسمیں ہیں: امتِ اجابت یعنی وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور امتِ دعوت یعنی کفار اور غیر مسلم لوگ یعنی یہود و نصاریٰ، ہندو اور سکھ وغیرہ۔

یہاں امتِ دعوت تو مراد بالکل نہیں ہے، بلکہ یہاں امتِ اجابت مراد ہے، پھر امتِ اجابت میں بھی پوری امتِ مسلمہ مرادنہیں، بلکہ ان کی اکثریت مراد ہے،جس پر قرآن وسنت میں بہت سے دلائل موجود ہیں، چنانچہ قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ ہے:

''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' (النساء:۱۱۵)

اس آیتِ مبارکہ میں باتفاقِ مفسرین کافر کو خطاب نہیں ہے، بلکہ صرف مسلمانوں کو ہی خطاب ہے کہ جو جمہور مومنین سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتا ہے تو اس پر حکم لگایا گیا کہ ہم اس کو اس کے سپرد کردیں گے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے یہ شخص گمراہ شمار ہوگا،جس کے لیے جہنم کی سزا بیان فرمائی گئی۔

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں اُمت کی جماعت اور اکثریت کو لازم پکڑنے کی اتنی تاکید کی گئی ہے، یہاں تک کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تواترِ معنوی کا حکم لگایا، چنانچہ سنن ابن ماجہ کی روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی تو یہاں بھی اکثریت مراد ہے، پوری امت مرادنہیں ہے، کیونکہ پوری امت ایک ہی نظریے پر قائم نہیں رہ سکتی، اسی لیے ترمذی کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے اور سارے جہنم میں جائیں گے، سوائے ایک فرقہ کے اور یہ وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے راستے پہ چلے گا، اس سے معلوم ہوا کہ بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے، ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہاں تو امت کی اکثریت جہنم میں جانے والوں کی بتائی گئی تو اس کا جواب یہ کہ جنت میں جانے والا ایک فرقہ اپنی تعداد کے اعتبار سے امتِ مسلمہ کی اکثریت پر مشتمل ہوگا، دیگر فرقوں کی مجموعی تعداد نجات پانے والے فرقہ سے کافی کم ہوگی، چنانچہ چودہ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ اہل السنہ والجماعہ کی تعداد سے کم رہی ہے۔ جماعت کو لازم پکڑنے کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، جس کو امام ابنِ ماجہؒ نے ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إن أمتي لا تجتمع على ضلالة، فإذا رأيتم اختلافا، فعليكم بالسواد الأعظم.''

یعنی میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، پس جب تم میری اُمت میں اختلاف پاؤ تو اکثریت کو لازم پکڑو۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، مگر اس کی دیگر احادیث سے تائید ہوتی ہے، اس میں

سوادِ اعظم سے مراد امت کی بڑی جماعت ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکاۃ شریف کی شرح ’’مرقاۃ المفاتیح‘‘ میں سوادِ اعظم کی تشریح کرتے ہوئے اکثر مسلمان مراد لیے ہیں:

’’(اتبعوا السوادَ الأعظمَ) : يعبر بهٖ عن الجماعة الكثيرة، والمراد ما عليه أكثر المسلمين.‘‘

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ جنت کے بیچ میں وہ خوشی سے رہے تو اس کو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے، بے شک شیطان ایک فرد کے ساتھ ہوتا ہے، اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جماعت سے جمہور صحابہؓ، تابعین اور سلف صالحین مراد ہیں اور فردِ واحد سے مراد وہ شخص ہے جو جماعت سے ہٹ کر علیحدہ رائے رکھتا ہو، دیکھیے عبارت:

’’ (فليلزم الجماعة) أي: السواد الأعظم وما عليه الجمهور من الصحابةؓ والتابعين والسلف الصالحين، فيدخل فيه حبهم وإكرامهم دخولًا أوليًا (فإن الشيطان مع الفذ)، بفتح الفاء وتشديد الذال المعجمة أي مقارن للفرد الذي تفرد برأيهٖ.‘‘

اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’عن أسامة بن شريك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”يد الله على الجماعة، فإذا شذ الشاذ منهم اختطفه الشيطان كما يختطف الذئب الشاة من الغنم.‘‘

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جماعت سے علیحدہ ہونے والے شخص کو شیطان اُچک لیتا ہے، جیسا کہ ریوڑ سے علیحدہ ہونے والی بکری کو بھیڑیا اُچک لیتا ہے۔‘‘

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’لا يجمع الله هٰذه الأمة على الضلالة أبدا، وقال: يد الله على الجماعة، فاتبعوا السوادَ الأعظمَ؛ فإنهٗ من شذ شذ في النار.‘‘

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ اس اُمت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں فرمائے گا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے، لہٰذا تم اکثریت یعنی اُمت کے بڑے گروہ اور جماعت کا اتباع کرو، کیونکہ جو شخص جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے، وہ اکیلا آگ میں داخل ہوگا۔‘‘

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیثِ مبارکہ میں جماعت کو لازم پکڑنے اور اکثریت کی اتباع کا حکم

دیا گیا ہے، یہاں تک کہ امام سرخسی رحمہ اللہ نے معنی کے اعتبار سے ایسی روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، متواتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی روایات کو بیان کرنے والے اتنے راوی ہیں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہیں، چنانچہ امام سرخسی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

’’قال: ما رأہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأہ المسلمون قبيحا، فهو عند الله قبيح والآثار في هٰذا الباب كثيرة تبلغ حدَ التواتر، لأن كل واحد منهم إذا روي حديثا في هٰذا الباب سمعهٗ في جمع ولم ينكر عليه أحد من ذٰلك الجمع، فذٰلك بمنزلة المتواتر.‘‘

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں انتظامی حوالے سے اُمت کی اکثریت مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر احادیث میں بغیر کسی تفصیل اور صراحت کے جمہور امت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور عقیدے کا معاملہ انتظامی معاملات کی بنسبت زیادہ سخت ہے، لہٰذا جب دنیوی امور میں جماعت کی اتباع کا حکم ہے تو دینی عقائد ونظریات میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ نیز آج اُمت کی اکثریت چار مذاہب یعنی حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ میں منحصر ہے، چنانچہ اگر آج امت کی تعداد کا سروے کیا جائے تو اکثریت ان چار مذاہب میں داخل نظر آئے گی، لہٰذا ان چار مذاہب کے اتفاقی عقائد ونظریات سے خروج اختیار کرنا کسی طرح بھی گمراہی سے کم نہیں۔

اُمت کے اتفاقی موقف کے خلاف علمائے کرام کے شاذ اقوال کا اعتبار نہیں

پیچھے ذکر کی گئی بحث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عقیدے اور مسئلے پر جمہور اُمت کا اتفاق ہو تو اس کے خلاف آنے والی حدیث کو پیچھے ذکر کی گئی وجوہ میں سے کسی وجہ کی بنا پر چھوڑا جائے گا، اسی اصول کے پیشِ نظر اُمت نے بعض علمائے کرام کے شاذ اور نادر اقوال اور نظریات کو قبول نہیں کیا، بلکہ ان کو خلافِ شریعت قرار دیا، جن میں سے چند ایک اقوال بطور مثال درج ذیل ہیں:

۱- امام ابن جریجؒ کے نزدیک متعہ کا جواز

۲- امام سعید بن مسیبؒ کے نزدیک ہمبستری کے بغیر حلالہ کا جواز

۳- امام ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک تین طلاق کا ایک ہونا۔

۴- امام اعمشؒ کے نزدیک موسیقی کا جائز ہونا۔

۵- اہلِ مدینہ کے نزدیک وطی فی الدبر کا جائز ہونا۔

۶- امام داود ظاہریؒ کے نزدیک بالغ آدمی کے لیے رضاعت کا جائز ہونا۔

۷- امام شافعیؒ کی طرف منسوب جان بوجھ کر تسمیہ پڑھے بغیر ذبیحہ کا حلال ہونا۔

۸- امام اعمشؒ، ابومجلزؒ، حکم بن عتیبہؒ اور معمر بن راشدؒ کے نزدیک سورج کے طلوع ہونے تک سحری کھانے کا جائز ہونا۔

۹- امام محمد بن جریر طبریؒ اور دیگر بعض علمائے عرب کے نزدیک پاؤں پر مسح کا جائز ہونا۔

۱۰- امام ابن حزم ظاہریؒ اور دیگر اہلِ ظواہر کے نزدیک اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کردے اور دوسرا شخص اس پانی سے وضو کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ حدیث میں اسی شخص کے وضو وغسل کرنے کو منع قرار دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کتبِ فقہ میں اس طرح کے اقوال کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں، ان میں سے بعض کو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عمدة الأثاث في الطلقات الثلاث'' میں اور حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقالہ ''''فقہ'' حدیث کی نظر میں اور مذہبِ ظاہریہ پر ایک نظر!'' میں بھی ذکر کیا ہے، امت نے ان سب اقوال کو رد کردیا، کیونکہ یہ اقوال قرآن وسنت کی صریح نصوص کے خلاف تھے، اسی لیے جمہور علمائے کرام نے ان شاذ اور نادر اقوال کے رد میں کتابیں اور رسائل لکھے، تاکہ امت اس گمراہی سے بچ سکے۔

جب ان کبار علمائے کرام کے اقوال کی تردید کی گئی آج کے دور میں کسی شخص کا امت کے اتفاقی عقیدے کے خلاف کوئی نظریہ یا عقیدہ قائم کرتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ اور نظریہ بدرجہ اولیٰ رد ہوگا، لیکن افسوس صد افسوس! آج نام نہاد اسلامی اسکالرز اور جدید تعلیم یافتہ لوگ قرآن کی کسی آیت یا خبر واحد درجے کی کسی حدیث کی بنا پر شدومد کے ساتھ ایک نظریہ قائم کرتے ہیں اور پھر اس نظریہ کی بنا پر پوری امت کی تردید کرتے ہیں، العیاذ باللہ! سوال یہ ہے کہ کیا خبر واحد درجے کی ان احادیث کے معنی کو چودہ سو سال کی پوری امت کے علماء نے غلط سمجھا اور صرف اسی ایک شخص کو اس کا معنی سمجھ میں آیا؟ حالانکہ امت کے علماء اپنے علم وتقویٰ اور عقل ودانش میں آج کے اسکالرز سے بڑھے ہوئے تھے۔ یاد رکھیے! اگر ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق قرآن وسنت کا معنی بیان کرنے میں آزاد ہے تو پھر آغاخانی، قادیانی، بوہری، اسماعیلی اور ان جیسے دیگر فرقوں پر کفر کا حکم لگانے کا کیا جواز ہوگا؟ لہٰذا خدارا! امت کے اتفاقی عقائد ونظریات پر قائم رہ کر اپنے آپ کو گمراہی سے بچائیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عمرہ سے واپسی پر زمزم میں عام پانی ملاکر لوگوں کو دینا

ادارہ

سوال

کیا عمرہ سے واپسی پر زمزم میں عام پانی ملاکر لوگوں کو دینا جائز ہے؟

جواب

حج یا عمرہ سے آنے کے بعد وہاں کے تبرکات، مثلاً: کھجور، زم زم اور دیگر اشیاء اپنے متعلقین میں تقسیم کرنا درست ہے۔ بہتر یہی ہے کہ رشتہ داروں اور دوستوں وغیرہ کو جب زم زم دے تو خالص دے، چاہے مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو، البتہ زمزم میں اگر عام پانی ملا دیا جائے تو اس کا ثبوت بھی ہے اور زم زم کی خاصیت یہ ہے کہ عام پانی میں ملانے سے زم زم کی برکات اس میں منتقل ہوجاتی ہیں، اس لیے حصولِ برکت کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اس کو خالص زم زم کہہ کر نہ دے۔

''المحيط البرهاني للإمام برهان الدين ابن مازة ''-(۵/۴۳):

''وفي ''القدوري'': إذا حلف على قدر من ماء زمزم لايشرب منه شيئاً وصبه في ماء آخر حتى صار مغلوباً وشرب منه يحنث عند محمد رحمه الله؛ لما بيننا في ''أصله''، أن الشي لايصير مستهلكاً بجنسه، ولو صبه في بئر أو حوض عظيم وشرب منه لايحنث؛ لأنه لايدري لعل البئر تغور بما صب، والحوض إذا عظم ولعل ذلك القدر من الماء يختلط بالكل.''

''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ''-(۶/۴۱۸):

''حلف على ماء من ماء زمزم لايشرب منه شيئاً فصب عليه ماء من غيره كثيراً حتى صار مغلوباً فشربه يحنث لما ذكرنا من أصله أن الشيء لايصير مستهلكا بجنسه ولو

صبه في بئر أو حوض عظيم لم يحنث، قال: لأني لا أدري لعل عيون البئر تغور بما صب فيها ولاأدري لعل اليسير من الماء الذي صب في الحوض العظيم لم يختلط به كله.''

''مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح''-(۲/ ۲۰۲):

''وعن طلق بن علي رضي الله عنه، قال: خرجنا وفداً إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبايعناه، وصلينا معه، وأخبرناه أن بأرضنا بيعة لنا، فاستوهبناه من فضل طهوره، فدعا بماء، فتوضأ وتمضمض، ثم صبه لنا في إداوة. وأمرنا، فقال: (اخرجوا فإذا أتيتم أرضكم، فاكسروا بيعتكم، وانضحوا مكانها بهذا الماء، واتخذوها مسجدا)، قلنا: إن البلد بعيد، والحر شديد، والماء ينشف، فقال: (مدوه من الماء، فإنه لا يزيده إلا طيبا)، رواه النسائي.

و في الشرح : (فقال: مدوه من الماء)، أي: زيدوا فضل ماء الوضوء من الماء غيره، وحاصله ما قاله ابن حجر: أي صبوا عليه ماء آخر (فإنه لايزيده)، قال الطيبي: الضمير في "فإنه" إما للماء الوارد أو المورود، أي: الوارد لا يزيد المورود الطيب ببركته (إلا طيباً) : أو المورود الطيب لايزيد بالوارد إلا طيباً اه.

ولايخفى أن الأول بالسياق أقرب، وبنسبة الزيادة أنسب، وإن قال ابن حجر: إن عكسه أولى إشارة إلى أن ما أصاب بدنه عليه السلام لايطرقه تغير، بل هو باق على غاية كماله الذي حصل له بواسطة ملامسته لتلك الأعضاء الشريفة، فكل ما مسه أكسبه طيباً اهـ.''

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144104200150 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ڈائیلاسز کے دوران نماز پڑھنے کا حکم

سوال

ڈائیلاسز میں خون مشین میں جاتا ہے اور پھر واپس نس میں لگایا جاتا ہے، ایسی صورت میں نماز پڑھی جاسکتی ہے بیڈ پر لیٹے لیٹے؟ کیونکہ اس کا دورانیہ ۴ یا ۶ گھنٹے ہوتا ہے۔

اگر وضو ہو، ڈائیلاسز جاری ہو اور اس دوران نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ سکتا ہے؟ اور اگر پہلے سے وضو کرنا یاد نہ رہا اور نماز کا وقت آجائے تو مریض تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے؟ مستفتی: ناصر عثمانی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

صورتِ مسئولہ میں ڈائیلاسز کے دوران نماز پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح اگر مریض کا وضو ہو اور ڈائیلاسز شروع ہوجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، لہٰذا اس کے بعد بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، نیز ایسے مریض کا تیمم کرکے نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔

تاہم اگر ڈائیلاسز کے دوران نماز کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو تو نمازیوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھ لی جائے، ڈائیلاسز مکمل ہونے کے بعد وضو کرکے نماز کا اِعادہ ضروری ہوگا۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

’’(والمحصور فاقد) الماء والتراب (الطهورين) بأن حبس في مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض (يؤخرها عنده: وقالا: يتشبه) بالمصلين وجوبا، فيركع و يسجد.‘‘(الدر المختار وحاشية ابن عابدين، كتاب الطهارة، باب التيمم، ج:۱، ص:۲۵۲، ط: سعيد)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 1442-9722 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نقد و نظر

ادارہ

الدُّر الثمين في دفاع مولانا محمد أمينؒ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہ۔ صفحات: ۱۶۸۔ ناشر: دفاعِ صحابہؓ واہلِ بیتؓ اکیڈمی، لاہور۔ برائے رابطہ: 0312-4612774

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ مسلکِ حقہ کے سچے ترجمان تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں تقریر وتحریر دونوں کا دَھنی بنایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے علم وقلم سے اہلِ سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ ان کی یہ خدمت اہلِ غویٰ سے برداشت نہ ہوسکی تو انہوں نے حضرت اوکاڑویؒ کی ذات کو مجروح کرنے کے لیے اہلِ بدعت کی طرح دجل وتلبیس سے کام لیا اور آپ کی شہرہ آفاق کتاب ''تجلیاتِ صفدر'' میں نقل کردہ چند روایات سیاق وسباق کے پیرائے سے کاٹ کر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند بھیجیں، تاکہ حضرت اوکاڑویؒ کو مجروح ومطعون کیا جاسکے۔ ان کا یہ سیاہ کارنامہ دراصل علمائے دیوبند کے خلاف ''حسام الحرمین''، جیسی تکفیری مہم کا تسلسل ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہ (شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا) کو، جنہوں نے سنتِ مدنیؒ پر عمل کرتے ہوئے اصل صورت حال سے اربابِ دارالعلوم دیوبند کو باخبر کیا، جس کے بعد دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف اپنے فتوے سے رجوع کیا، بلکہ حضرت اوکاڑویؒ کی جانب سے دفاع کرتے ہوئے ان کی دینی خدمات کی عظمت ووقعت کا اعتراف بھی کیا اور اس سازشی ٹولے کی سازش کو ناکام بنایا، جو حضرت اوکاڑویؒ پر چسپاں کرکے بہتان باندھنے لگے تھے۔

زیرِ نظر کتاب میں مصنف محترم نے وہ تمام فتاویٰ، اکابر کی تقریظیں اور تحریریں جمع کردی ہیں جو حضرت اوکاڑویؒ کی عظمتِ شان پر شاہدِ عدل ہیں، نیز ناصبی یزیدی نظریات کا جائزہ اور ان کے شبہات کا شافی حل بھی حضرت اوکاڑویؒ کے مضامین سے پیش فرمادیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اُجاگر کرنے کے

لیے رافضی اشکالات کا توڑ کرنے کی طرح اہلِ بیت اطہارؓ کی بھی شانِ بلند کا تذکرہ کرنا اور ناصبی یزیدی اعتراضات کی راہ میں سدِّ سکندری قائم کرنا اہلِ سنت کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو اس خدمت پر اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ہم سب کو اہلِ سنت والجماعت کے مسلکِ اعتدال پر تادمِ آخر کاربند رکھے، آمین!

ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت ’’ختم نبوت نمبر‘‘ (ردِقادیانیت میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی خدمات)

مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک۔ قیمت: درج نہیں۔ صفحات: ۱۶۰۔ برائے رابطہ: 0333-9167789

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے تاریخ ساز ایمانی فیصلے کو ۷ ستمبر ۲۰۲۴ء تک پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے، اس دوران اس محاذ پر مختلف تنظیموں اور اداروں نے اپنے اپنے دائرے میں تحفظِ ختم نبوت اور دفاعِ ناموسِ رسالت کے لیے بے مثال خدمات انجام دی ہیں، انہی میں ایک جامعہ دارالعلوم حقانیہ بھی ہے، جس کے بانی شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خدمات، اور ختمِ نبوت کے حوالہ سے پارلیمنٹ اور اس کے باہر آپؒ کی جدوجہد کسی سے مخفی نہیں، اسی طرح محافظِ پاکستان حضرت مولانا سمیع الحقؒ کی خدمات بھی تحفظِ ختمِ نبوت کے میدان میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، ان دونوں حضرات کی محاذِ ختمِ نبوت کی خدمات کو اس ڈیڑھ صد صفحات کے کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیرِ نظر اشاعت عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور پارلیمنٹ میں قادیانیت کو شکست فاش کے پچاس سال مکمل ہونے کے علاوہ ربیع الاول کی مناسبت سے اہم اور خصوصی اشاعت ہے، جو اس عنوان سے مناسبت رکھنے والوں کے لیے ذوق کی چیز ہے۔

قرآن کا پیغام ہمارے نام

ترتیب: جناب محمد موسیٰ بھٹو۔ صفحات: ۱۶۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۴۰۰-بی، لطیف آباد، حیدرآباد، سندھ۔

زیرِ تبصرہ کتاب قرآن کریم کی بعض اہم تعلیمات اور تشریحات پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم میں مذکورہ اُمور مثلاً: ایمان وعمل صالح، وعظ ونصیحت، اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ پیغمبری، عبادات، تقویٰ، گزشتہ قوموں کے عبرت انگیز قصے، ذکرِ الٰہی، تزکیۂ نفس اور دنیاوی زندگی کی بے ثباتی اور اُخروی زندگی کی ابدیت اور اس کی تیاری پر مختلف آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں ضروری تفصیل بیان کی گئی ہے، تاکہ عام مسلمان کے لیے قرآن کریم کا دستور العمل ہونا آسان ہو جائے۔